



مشعل

جاگیرداری

اور

جاگیردارانہ کلچر

ڈاکٹر مبارک علی

جاگیرداری اوہنے کلچر

مصنف : ڈاکٹر مبارک علی

ہر سے کرآن پاک (چشم جبز آجئے) اسلامی تدبیح (احادیث تفاسیر غیرہ)
www.facebook.com/page/royalbookcenter

رائل بکس سینٹر

14633 نمبر ۰۵۵
چوک نواب صاحب گجرات ۰۴۶۲۲۰۸۳ نمبر ۰۷



مشعل

آر۔ بی ۵، سینڈ فلور، عوامی کپلیکس
عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔ 54600، پاکستان

جاگیرداری اور جاگیردارانہ کلچر
ڈاکٹرمبارک علی

کالی رائٹ (۲) اردو - ۱۹۹۶ مشعل پاکستان

ناشر: مشعل پاکستان
آربی ۵، سینڈ فلور،
عواصی کپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور 54600، پاکستان

فون و فیکس: 042-5866859

E-mail: mashal@infolink.net.pk

ٹائل ڈیزائن: احمد رحمان

پرنسپل: مکتبہ جدید پرنسپل، لاہور۔

120/-

قیمت:

پیش لفظ

ان صفحات میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ فیوڈل ازم یا جاگیرداری کو مغرب اور مشرق کے تناظر میں دیکھا جائے اور اس کا تجزیہ کیا جائے کہ یہ نظام کن حالات میں پیدا ہوا تھا، کن حالات میں اس کی شکل و ہیئت بدلتی رہی اور پھر کس مرحلہ پر اس کی افادیت ختم ہو گئی۔ اس مطالعہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ فیوڈل ازم نے جب بھی تمام مادی وسائل اور اقتدار کو ایک طبقہ میں محدود کیا تو اس کی وجہ سے معاشرے کے دوسرے طبقوں کو یہ موقع نہیں ملا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو ابھار سکیں، اور انہیں معاشرے کی ترقی میں استعمال کر سکیں۔ اس لئے جب بھی اس طبقہ پر زوال آیا تو اس کے ساتھ ہی معاشرہ بھی ٹوٹ پھوٹ کاشکار ہو گیا اور زوال کے عمل کو روکنے والا یا معاشرہ کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں بچا۔

فیوڈل ازم نے جس طبقاتی نظام کی بنیاد ڈالی تھی اس میں حاکم و مکوم میں اس قدر فرق اور دوری تھی کہ اس نے معاشرہ کو تقسیم کر دیا۔ مکوم طبقہ اتنا کچلا اور دبا ہوا رہا کہ خود اس نے اپنی حالت پر قناعت کر لی، اور اگر مزاحمت کے راستہ کو اختیار کیا بھی تو اسے پر تشدد اور ظالمانہ طریقہ سے ختم کر دیا گیا۔

کئی سال کی بات ہے کہ میں نے انگلستان کے ایک دور افتادہ علاقہ میں ایک چرچ دیکھا۔ یہاں چرچ کو بنانے والی زمیندار خاتون کے بارے میں کتبہ پر یہ لکھا ہوا تھا کہ ”مالکن اچھی شخصیت کی حامل تھیں اور اپنے مزارعوں سے بڑی خوش اخلاقی سے بات کرتی تھیں۔“ یعنی خوش اخلاقی سے بات کرنا بھی فیوڈل معاشرے میں نیکی اور خوبی کی بات تھی (ہمارے ہاں یہ بات آج بھی صحیح ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ کس قدر

فیوڈل اور حصرا ہوا ہے)

ہمارے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے اب یہ سوال عام طور پر کیا جا رہا ہے کہ کیا
فیوڈل ازم ہماری خرابیوں کا ذمہ دار ہے؟ شاید ان صفحات کے مطالعہ سے اس سوال کا
جواب مل سکے کہ کیا ہمارے معاشرے کے مادی وسائل اور مراعات صرف ایک طبقہ تک
محدود رہیں، یا ان میں سب کو شریک کیا جائے؟

مبارک علی

مترجم، ۱۹۹۶ء، لاہور

فہرست

۳	پیش لفظ
۷	۱۔ تعارف
۱۷	۲۔ پہلا باب : یورپی فیوڈل ازم
۳۱	۳۔ دوسرا باب : فیوڈل ازم کا زوال
۵۷	۴۔ تیسرا باب : ہندوستانی نظام جاگیرداری
۸۵	۵۔ چوتھا باب : آخری عمد مغلیہ اور جاگیرداری کا زوال
۹۱	۶۔ پانچواں باب : نظام جاگیرداری اور صوبائی ریاستیں
۱۰۳	۷۔ چھٹا باب : جاگیردار اور بر طانوی راج
۱۲۱	۸۔ ساتواں باب : جاگیردار اور بر طانوی نظام تسلط
۱۳۹	۹۔ آٹھواں باب : جاگیردارانہ کلچر
۱۵۹	۱۰۔ نواں باب : جاگیردار اور سیاست
۱۶۷	۱۱۔ دسوائیں باب : کیا پاکستان میں جاگیردارانہ نظام ہے؟
	اطلاعات
	کتابیات

تعارف

تاریخی عمل کو سمجھنے کے لئے مورخین تاریخ کو معاشی، سماجی اور سیاسی طور پر کئی ادوار میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ ایک خاص عہد اور دور میں جو رجحانات پیدا ہوتے ہیں انہیں بہتر طریقہ سے سمجھا جاسکے۔ چنانچہ ابتدائی تاریخی دور کے بعد شکار کا زمانہ، زمانہ غلامی، اور اس کے بعد فیوڈل ازم کا دور آتا ہے۔ فیوڈل ازم کا ادارہ خاص طور سے یورپ میں مخصوص سیاسی، سماجی، اور معاشی حالات کے تحت پیدا ہوا اور وہیں اس کا مکمل فروغ ہوا۔ دوسرے معاشروں میں یہ ادارہ ایک نئی شکل اور ہیئت کے ساتھ پروان چڑھا۔ جاپان کا سمورائی، چین کا جاگیردارانہ اور مشرق وسطی میں عربوں کی فتح کے بعد اقطاع کا نظام خاص حالات کے تحت تشكیل پایا۔ مگر ان نظاموں کے فرق کے باوجود ان میں ثقافتی طور پر بہت کچھ ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

تاریخ سے جہاں ہم اور بہت کچھ سکھتے ہیں وہاں ایک سبق یہ بھی ہے کہ ادارے، روایات اور قدریں خاص حالات میں وقت کی ضروریات پوری کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہیں، اور جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ان کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر ادارہ اور روایت آخری وقت تک اپنی بقا کے لئے جدوجہد کرتی ہے اور اپنی بقا کے لئے ہی وہ اپنی بنیادی ہیئت میں تبدیلی لاتی ہے، نئے نظریات کو اپنانے کی کوشش کرتی ہے تاکہ وہ نئے خطرات اور چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔ فیوڈل ازم کا ادارہ بھی جس شکل میں وجود میں آیا تھا اس کی وہ شکل وقت کے ساتھ ساتھ برابر بدلتی رہی، ضرورت کے تحت وہ نئی روایات کو اپنے اندرضم کرتا رہا۔ لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود بدلتے حالات میں اس کے لئے خود کو باقی رکھنا مشکل ہوتا چلا گیا۔ یورپ کی تاریخ میں فیوڈل

ازم اور اس کی بقا کی جگہ کو اس تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تاریخ میں ایسا بھی ہوا ہے کہ کبھی کوئی ادارہ حالات کے دباؤ کے تحت آہستہ آہستہ ختم ہوا، اور کبھی اسے انقلابی اقدامات کے ذریعہ یکدم ختم کیا گیا۔ ان دونوں صورتوں میں ادارہ کے زوال کے ساتھ ہی اس سے متعلق کلچر میں بھی زوال آ جاتا ہے۔ اگرچہ کلچر خود کو باقی رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے اور اس کے ختم ہونے میں ادارے سے زیادہ وقت لگتا ہے۔ اس لئے فیوڈل ازم کا ادارہ تو کئی ملکوں اور معاشروں میں ختم ہو گیا مگر اس نے جو کلچر پیدا کیا تھا اس کو ختم ہونے میں بڑا وقت لگا۔ زوال پذیر اور شکستہ یورپی فیوڈل طبقہ نے آخری وقت تک اپنے کلچر کی قدروں اور روایات کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ اپنی سیاسی اور مادی طاقت کے ختم ہونے کے بعد وہ اپنے کلچر کے سارے معاشرے میں خود کو ممتاز کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر جب یورپ میں صنعتی کلچر نے فیوڈل کلچر کو ختم کر دیا تو اس کے ساتھ ہی فیوڈل ازم اور اس کا کلچر تاریخ کا ایک حصہ بن کر رہ گئے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ صنعتی تبدیلیوں نے کئی ملکوں میں فیوڈل ازم کو ختم کر دیا ہے۔ کئی معاشرے ایسے بھی ہیں جہاں فیوڈل ازم اور صنعتی اداروں کے درمیان سکھش جاری ہے، اور کئی ایسے معاشرے بھی ہیں جہاں فیوڈل ازم، صنعتی اقدار اور قبائلی روایات کے درمیان تصادم ہے۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ فیوڈل ازم کو اس کے تاریخی پس منظر میں بھی دیکھا جائے کہ تاریخ میں اس کا کیا کردار رہا ہے؟ کس طرح وقت کے ساتھ اس میں تبدیلیاں آئیں؟ اس کی افادیت کیا تھی؟ اور پھر یہ افادیت کیوں ختم ہو گئی۔

فیوڈل ازم کیا ہے؟ اس کی تعریف اور وضاحت کئی مورخوں نے کی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس نظریاتی بحث پر نظر ڈالی جائے جو فیوڈل ازم کی وضاحت کرتی ہے۔ ہندوستان کے مشہور مصنف کوئی نے فیوڈل ازم کے ارتقاء کے بارے میں کہا ہے کہ یہ دو طرح سے ہوا۔ ایک وہ فیوڈل ازم کہ جو اوپر سے نافذ کیا گیا۔ اس قسم کے فیوڈل ازم میں بادشاہ اپنے ماتحتیوں پر خراج عائد کرتا تھا۔ یہ ماتحت اپنے علاقوں میں پورے اختیارات کے حامل ہوتے تھے۔ جب تک وہ خراج دیتے تھے انہیں اجازت ہوتی

تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں جو چاہیں کریں۔

فیوڈل ازم کی دوسری قسم وہ ہے کہ جو نیچے سے ارتقاء پذیر ہوتی۔ اس میں گاؤں میں زمینداروں نے فوجی قوت و طاقت حاصل کر کے اپنے علاقوں میں حکومت قائم کر لی۔ بعد میں یہ ریاست اور کسانوں کے درمیان ایک واسطہ بن گئے اور مرکزی ریاست نے انہیں یہ حق دے دیا کہ وہ ریونیو و صول کریں اور ضرورت کے وقت فوج کے ساتھ مدد کریں۔ لہذا ان کے کارکن کسانوں سے نیکس و صول کر کے اوپر پہنچاتے تھے۔ جب کہ اول قسم کے فیوڈل ازم میں یہ نیکس مرکزی حکومت کے عمدے دار اور افسر جمع کرتے تھے۔ (۱)

اس کے بعد کوئی بھی یورپی فیوڈل ازم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس ادارے کی ہیئت اور خصوصیات کی وضاحت کرتا ہے۔

اول: فیوڈل ازم ایسا نظام تھا کہ جس میں پیداواری آلات سادہ، معمولی، اور سستے ہوتے تھے۔ پیداواری عمل انفرادی ہوتا تھا۔ محنت کی تقسیم ابتدائی حالت میں ہوتی تھی۔

دوم: پیداوار خاندان یا برادری کے لئے ہوتی تھی، کسی بڑی منڈی یا مارکیٹ کے لئے نہیں۔

سوم: دوسرے کی زمین پر کاشت کی جاتی تھی۔

چارم: سیاسی ثبوت پھوٹ کے دوران زمین کی ملکیت کے حقوق بدلتے رہتے تھے، کبھی ساری زمین بادشاہ کی ہو جاتی تھی اور کبھی قبائلی سردار یا برادری کی۔

پنجم: شروط طور پر زمین پر قبضہ۔ راجپوتوں اور ترک مسلمان فاتحین کے زمانہ میں جاگیرداروں کے پاس زمینیں شروط ہوتی تھیں، وراثت میں نہیں۔ یہ اس وقت تک رہتی تھیں کہ جب تک وہ ریاست کی فوجی امداد کرتے تھے۔

ششم: عدالتی اختیارات کا استعمال، اس میں فیوڈل اپنے علاقے میں یہ اختیارات رکھتا تھا۔

کوئی نے یہاں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ہندوستان کے فیوڈل ازم میں تین عناصر نہیں

تھے۔ غلامی کا ارتقاء پذیر ادارہ، گلڈ، اور چرچ، اس کے بجائے یہاں ذات پات کی تقسیم تھی کہ جس نے چرچ اور گلڈ کی جگہ لے رکھی تھی۔ (۲) ہندوستان میں اوپر سے جو فیوڈل ازم آیا اس میں کوئی نئی ایجادات نہیں ہوئیں جیسے کہ قرون وسطی کے یورپ میں ہوئیں جہاں ہوائی پنچھی، گھوڑے کی لگام، اور بھاری ہل ایجاد ہوئے۔ (۳) جنہوں نے معاشرے کی تبدیلی میں حصہ لیا۔ جب کہ ہندوستان معاشرہ ایجادات کے نہ ہونے سے جمود کا شکار رہا۔

مارک بلوخ نے فیوڈل ازم کے بارے میں جو وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں کسان کی حیثیت رعیت کی ہوتی تھی، جسے کام کرنے کے صلے میں تنخواہ کے بجائے جس میں ادائیگی کی جاتی تھی۔ یہ جنگجو طبقہ کے ساتھ وفاداری کے بندھنوں میں جکڑے ہوتے تھے اور اس کے عوض وہ طبقہ انہیں تحفظ فراہم کرتا تھا۔ اس جنگجو طبقہ میں سے ایک اور طبقہ پیدا ہوتا تھا جو ماتحتوں کا طبقہ ہوتا تھا (Vassals) جن کی وجہ سے اس طبقہ کی اتحادی تقسیم ہو جاتی تھی۔ اس ادارے سے جو دوسرے ادارے پیدا ہوئے۔ ان میں ریاست، خاندان، اور چرچ کے ادارے اہم تھے۔ (۴)

کچھ مورخ اس ادارے کو ایک سیاسی ادارہ کی حیثیت دیتے ہیں، جس کے ذریعہ حکومت کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے سماجی و سیاسی ادارے تشكیل پاتے ہیں، مگر اس کی سیاسی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔

مورخوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ ادارہ بڑا محدود ہوتا تھا۔ کیونکہ اس میں جو بھی پیداوار ہوتی تھی وہ محض استعمال کے لئے ہوتی تھی، تجارت کے لئے نہیں۔ اس لئے اس کی معاشی حیثیت کمزور ہوتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ زراعتی پیداوار کو زبردستی چھین لیا جائے تاکہ اس آمدن کی بنیاد پر امپیریل بریاست قائم رہے۔ زائد مقدار کو لینے کے لئے سیاسی و قانونی اداروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے حقیقی پیداوار کرنے والا کسان پیداواری فوائد سے محروم رہتا تھا۔ اس زائد مقدار کو نیکس، جرمانہ، اور بیگار کی قانونی شکل دے کر وصول کیا جاتا تھا۔

اس نظام میں سب سے زیادہ مجبور صورت حال کسان کے لئے ہوتی تھی اس کی

اہمیت کے پیش نظر اسے زمین سے جبرا۔ باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کی محنت کی خریداری کے لئے کوئی مارکیٹ نہیں ہوتی تھی اس لئے اسے مجبوراً کھیت پر کام کرنا پڑتا تھا۔ اس عدم مقابلہ کی وجہ سے وہ ایک ہی حالت پر رہتا تھا اگر اسے آزاد بھی کر دیا جاتا تو وہ کسی دوسرے جگہ اپنی محنت نہیں بچ سکتا تھا۔ اس لئے کھیت ہی اس کی پناہ گاہ اور روزی کا ذریعہ رہتا تھا، اس لئے کسان کو آزاد کرانے کے لئے محض قانون کافی نہیں تھا۔ معاشی آزادی کے لئے منڈی اور مارکیٹ کا ہونا بھی لازمی تھا۔ چونکہ قرون وسطی میں جہاں مارکیٹ میں مزدوری کم یا ب تھی وہاں فیوڈل لارڈز کو آسانی سے کسانوں کی محنت دستیاب ہو گئی۔ اور ان کی محنت پر انسوں نے اپنی معاشی برتری اور سیاسی قوت کو قائم کیا۔ (۵)

ہربس مکھیا نے ان طریقوں کی نشاندہی کی ہے کہ جن میں زائد پیداوار کو کسان سے چھین لیا جاتا تھا۔ مثلاً، غلامی کے زمانہ میں پیداوار کو غلاموں سے چھین لیا جاتا تھا اور یہ مالکوں کے تصرف میں آ جاتی تھی۔ سرمایہ دارانہ زراعت میں پیداوار کو کسان سے چھین تو لیا جاتا ہے مگر اسے مارکیٹ کے لحاظ سے محنت کا عوصانہ دیا جاتا ہے۔ فیوڈل ازم میں پیدا کرنے والا اپنی پیداوار سے قطعی جدا تو نہیں کیا جاتا تھا، مگر اس سے زائد مقدار لے لی جاتی تھی (۶) لہذا فیوڈل ازم میں غیر زراعتی طبقہ پیداوار کو ہتھیا لیتا تھا۔ اس کا زمین پر قبضہ بھیت فرد کے ہوتا تھا نہ کہ بھیت جماعت کے۔ (۷)

فیوڈل ازم کی ایک شکل تو وہ تھی کہ جب بڑی بڑی امپائرز بنتی تھیں تو انہیں مختلف علاقوں میں امن و امان برقرار رکھنے اور جنکس کی وصولیابی کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت ہوتی تھی۔ شہنشاہ اور حکمران کے لئے یہ شکل تھا کہ وہ مرکز میں رہتے ہوئے اور پھیلے ہوئے علاقوں پر اپنا سلط برقرار رکھ سکے۔ اس لئے وہ ان علاقوں کو تقسیم کر کے اپنے عمدے داروں افسروں یا مقامی فوجی عاملوں کو دے دیتا جو جاگیر کی آمدنی کے عوض اس کی فوجی خدمت ادا کرتے تھے، لور اس سے وفادار رہتے تھے۔ اس میں زمین حکومت کی ہوتی تھی، یہ بطور دراثت نہیں دی جاتی تھی۔

اس لئے جب بھی نیا حکمران خاندان آتا یا فالج نئی زمینوں پر قبضہ کرتا تو وہ ان فیوڈل لارڈز کو رہنے والے جنوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا ہو۔ مگر جن لوگوں نے

قدیم حکمران خاندان کہ ساتھ دیا ہوتا ان کی زمینیں چھین لی جاتی تھیں۔ چنانچہ فاتحین جاگیریں اپنے وفادار ساتھیوں کو دیتے تھے۔ یا ان قدیم جاگیرداروں کو جنہوں نے فاتحین کی شرائط کو تسلیم کر لیا ہو۔ مثلاً ہندوستان کی تاریخ میں جب ترک فاتحین آئے تو یہ اپنے ساتھ ترک و ایرانی لوگ لے کر آئے جوان کے عمد میں جاگیردار بنے۔ مغلوں نے ان کی جگہ اپنے وفادار ساتھیوں کو جاگیریں دیں اور وفادار راجپوت فیوڈل لارڈز کو باقی رکھا۔

اس لئے فیوڈلز کے لئے اپنی جائداد اور مراعات کو باقی رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وقت کے ساتھ اپنی وفاداری بدلتا رہے۔ اس لئے وفاداری کی تبدیلی اس کے کردار کا ایک جزا یعنیک بن گئی۔ چونکہ ایک فیوڈل کے لئے سب سے اہم چیز زمین ہوتی تھی کہ جس سے اسے معاشی و سیاسی اقتدار ملتا تھا اس لئے زمین کے تحفظ کی خاطر وہ تمام اخلاقی و سماجی اصول و قاعدے قربان کر دیتا تھا۔ زمین کے مقابلہ میں قوم، نسل، اور ملک اس کے لئے اہم نہیں رہتے تھے۔

اللذ احکمرانوں نے زمینوں کی تقیم کر کے اپنے حمایتی و وفاداروں کا طبقہ پیدا کیا۔ اگر زمین کم پڑ جاتی تھی تو بادشاہ اپنی زمین سے جاگیرداروں کو جاگیر دے دیتا تھا، جیسا کہ یورپ میں ہوا، جہاں انسوں نے چرچ کی زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنے امرا میں تقیم کر دیا، جیسا کہ انگلستان کے بادشاہ ہنری ششم نے کیا اس نے کیا ۱۵۳۵، ۱۵۳۹ ار ۱۵۴۵ میں خانقاہوں کی زمینوں اور دولت پر قبضہ کر کے اسے اپنے حمایتیوں میں تقیم کر دیا۔ اس کے برعکس اگر بادشاہ کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ جاگیروں پر قبضہ کر کے اپنی طاقت و دولت دونوں کو بڑھاتا تھا، جیسے کہ کارل بیخین دور میں چارلس مارٹل نے کیا۔ (۸)

فیوڈل ازم کی ایک دوسری قسم وہ تھی کہ جب کوئی امپائر ٹوٹی تھی تو اس کے نتیجہ میں چھوٹے چھنے فیوڈل لارڈز اپنے اپنے علاقوں پر قابض ہو جاتے تھے اور مرکزی حکومت کی اتحارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ یورپ میں اس کی مثال کارل بیخین امپائر ہے، قدیم ہندوستان میں موریہ سلطنت، اور جدید دور میں مغلوں کا زوال ہے کہ جس کی وجہ سے فیوڈل لارڈز کا طبقہ مضبوط ہوا اور انسوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قبضہ کر کے وباں کی آمدنی کو خود ہتھیا لیا۔

فیوڈل ازم کے ادارے کا تجویزیہ کیا جائے تو اس میں تین عناصرے ملتے ہیں۔ کسانوں کی غلامی، جاگیر اور جاگیر کو بطور معاشی یونٹ استعمال کرتا۔ جب یہ تین عناصر مضبوط ہوں تو اس کے نتیجہ میں نہ صرف تجارت زوال پذیر ہوتی ہے بلکہ شروں کی آبادی بھی بڑھنے نہیں پاتی۔ اس لئے جب بھی شروں کی آبادی بڑھتی ہے اور تجارت کو فروغ ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے فیوڈل ازم کا نظام کمزور ہوتا ہے کیونکہ کسانوں کو شروں میں ملازمت کے موقع میسر آنے لگتے ہیں اور وہ گاؤں چھوڑنے پر آمادہ ہوتے ہیں اس لئے جب ریاست تاجریوں کی ہمت افزائی کرتی ہے تو فیوڈل اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کسانوں کی نقل و حرکت پر پابندی لگادیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی زمینوں کی پیداوار کا انحصار کسان کی محنت پر ہوتا ہے۔ (۹)

اس تعارف کے نتیجہ میں جوبات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ہے فیوڈل ازم کا ادارہ ہر ملک میں خاص حالات میں پیدا ہوا اور وقت کے ساتھ بدلتارہا، اس لئے اس کی ایک مکمل اور جامع تعریف تو نہیں ہو سکتی، لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس ادارے کی جو عمومی خصوصیات رہی ہیں، ان میں فوجی طبقہ کا معاشی پیداوار پر قبضہ، نجی جائداد کا حق، (مگر کئی معاشروں میں زمین کو نجی جائداد کی حیثیت نہیں بھی دی گئی)۔ کسانوں اور کاشتکاروں کی محنت کا استحصال، حکمران طبقے کے تحفظ کے لئے اخلاقی و سماجی اور مذہبی اقدار کی تشکیل۔ زائد مقدار کے حصوں سے جو دولت جمع ہوئی اس سے آرٹ، تعمیر، ادب و شاعری کا فروغ۔

اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں فیوڈل ازم کی اصطلاح وسیع معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ مگر جب ہندوستان کا ذکر آتا ہے تو یہاں پر جاگیرداروں کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس سے کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی ہے۔

مورخوں اور سماجی علوم کے ماہرین نے اس قسم کے سوالات بھی اٹھائے ہیں کہ کیا ہندوستان میں فیوڈل ازم رہا ہے؟ تو اس سلسلہ میں آر۔ ایس۔ شرما کی کتاب ”ہندوستان میں فیوڈل ازم“ بی۔ این۔ ایس یادو کی کتابیں ”سو سائی اینڈ کلچر“ اور ”Immobility and Subjection“ اور ہر بنس کھیا کا مقالہ ”کیا ہندوستان میں فیوڈل ازم تھا؟“

ان سوالوں کے جوابات دیتے ہیں۔ ہر بنس مکھیا یورپ اور ہندوستان کے فیوڈل ازم کی پیداوار کو دو علیحدہ حالات میں دیکھتے ہیں۔ یورپ میں یہ دور غلامی اور پھر جرم من قبائل کے درمیان تفرقہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ ہندوستان میں ریاست نے تنخواہ اور خیرات و صدقہ یا چیرٹی کے عوض، روپنیوں کے حقوق کے ساتھ، اپنے عمدے داروں کو زمین دے کر اپنی قسم کا فیوڈل ازم پیدا کیا، (۱۰) ان صفحات میں اسی بات کی کوشش کی گئی ہے کہ فیوڈل ازم کی ان مختلف شکلوں کی وضاحت کی جائے اور ان کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالی جائے۔

حوالہ جات

D.D. Kosambi: An Introduction to the Study of Indian History, Bombay 1956. 6th edition 1994 p.295 -۱

-۲ کوسمبی: ص ۵۵ - ۳۵۳

-۳ ایضاً ص ۳۵۵

-۴ مارک بلوخ: فیوڈل سوسائٹی۔ شکاگو ۱۹۶۳ء ص ۲۲۶ -

-۵ ہربنس مکھیا: Perspectives on Medieval History, Vikas Delhi 1994- P.93

-۶ ایضاً: ص ۹۵

-۷ جان کرج لے: فیوڈل ازم، جارج الین اینڈ ان دن ۱۹۷۸ ص ۱۷۶

-۸ ایف۔ ایل۔ گان شوف: فیوڈل ازم، لانگ مین ۱۹۵۲، ص ۱۷۱

-۹ سندھ میں وڈیروں کی جیلوں کی تفصیل اخبارات میں آئی ہے کہ انہوں نے ایڈوانس میں معاوضہ دے کر کسانوں کو قیدی بنالیا اور ان سے زبردستی کام کرتے رہے۔ ان کی گمراہی کی جاتی تھی تاکہ وہ فرار نہیں ہو سکیں۔

-۱۰ مکھیا: ص ۱۱۲

یورپی فیوڈل ازم

فیوڈل ازم کی تعریف

فیوڈل ازم کا لفظ لاطینی زبان کے فیوڈالس (Feodalis) سے نکلا ہے۔ فرانسیسی میں آگر یہ فیوڈالٹ (Feodalite) ہو گیا اور پھر یہاں سے یہ یورپ کی دوسری زبانوں میں گیا۔ اس سے پہلے اس مفہوم کو فیف ہولڈر کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔ ولیم فاتح (۱۱۳۵ - ۱۰۶۶) نے جب انگلستان کو فتح کیا اور اپنے سورماؤں میں جوزفیف تقسیم کیں وہ نارمن فرانسیسی میں فیف کملاتی تھیں۔ جس میں یہ معاملہ تھا کہ فیف ہولڈر بادشاہ کو سپاہی اور گھوڑے فراہم کرے گا۔

فیوڈل ازم کا ارتقاء

یورپ میں فیوڈل ازم رومی سلطنت کے زوال اور جرمیں قبائل کی فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ اگرچہ اس نظام کے جراثیم اس فوجی نظام میں بھی موجود تھے جو کہ رومیوں کے عمد میں قائم تھا۔ جب یہ پرانا نظام ٹوٹا تو اس کی وجہ سے پیداواری رشتہوں نے نئے پیداواری ذرائع کے لئے فیوڈل ازم کے نظام کی تشكیل کی۔ اس نظام کا ارتقاء آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ جب اٹلی اور گال کے شرجرمیں قبیلوں کے حملوں کی وجہ سے غیر محفوظ ہوئے اور شروع میں لوٹ مار ہونے لگی تو یہاں سے امراء اپنی حفاظت کے لئے دیہاتوں میں چلے گئے اور شروع کو بغیر کسی حفاظت کے چھوڑ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں شروع ہونا شروع ہو گئے اور امپائر کے دنوں کی تعمیر شدہ عالیشان عمارتیں خستہ و شکستہ ہو کر ملبہ کا ڈھیر

ہونے لگیں۔ سیاسی طاقت کے زوال کی وجہ سے شاہراہیں ٹوٹ پھوٹ کاشکار ہو کر استعمال کے قابل نہ رہیں۔ جس کی وجہ سے گاؤں و شر اور آبادیاں ایک دوسرے سے کٹ گئیں۔ شاہراہوں کی اس تباہی کے ساتھ ساتھ، ڈاکوؤں اور لشیروں کی سرگرمیوں نے تاجریوں کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ تحدیتی مال لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جائیں۔ اس لئے شروں کے زوال کے ساتھ ساتھ تجارت کا بھی زوال ہوا۔

ان حالات میں ہر گاؤں اور قصبے کی یہ ضرورت بن گئی کہ وہ خود کفیل ہو۔ اس لئے گاؤں محب کاشتکاروں کا نہیں رہا بلکہ آبادی کی دوسری ضروریات پوری کرنے کے لئے یہاں موچی، جولاہا، لوہار، معمدار، اور دوسرے دست کار و ہنرمند آگئے جنمیوں نے معاشی طور پر گاؤں کو خود کفیل بنانے میں مدد دی۔ اس سیاسی ابتری کے زمانہ میں وہ سردار کہ جس کے پاس فوج تھی اسے یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کے سمارے کسانوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے اپنی برتری قائم کرے۔ دوسری طرف کسانوں کو اپنی فصل، اور گھروں کی حفاظت کی ضرورت تھی، اس لئے انہوں نے فوجی سردار کی حفاظت میں آنا قبول کر لیا۔ لہذا جہاں ایک طرف گاؤں معاشی طور پر خود کفیل ہوا، وہاں اس کے انتظامات فیوڈل لارڈ کے پاس چلے گئے۔ اب وہ گاؤں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے لگا، اس کی اپنی عدالت تھی جہاں وہ لوگوں کے جھگڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔ اس کو یہ اختیار تھا کہ وہ سخت جرام پر سزاۓ موت دے، یا جرمانہ عائد کرے۔ لوگوں پر ٹیکس لگانا، قیمتوں کا تعین کرنا، ان کی سولت کے لئے سڑکیں و پل بنانا اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ اس کی رہائش گاہ ایک شاندار محل ہوا کرتی تھی۔ اس طرح تیسرا صدی سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کے درمیان کسانوں اور فیوڈل لارڈز میں جو تعلقات اور رشتے پیدا ہوئے ان میں سب سے اہم غصريہ تھا کہ فیوڈل لارڈ ان کا سرپرست، محافظ، اور نگبان بن گیا تھا، جونہ صرف ان کا دفاع کرتا تھا، بلکہ ان کے درمیان امن و امان بھی برقرار رکھتا تھا۔ اس کے بد لے میں لوگ اس کی اطاعت کرتے تھے اور اس کے لئے فوجی خدمت انجام دینے کے لئے تیار رہتے تھے، وہ اسے ٹیکس دیتے تھے اور اپنی زائد پیداوار اس کے حوالے کر دیتے تھے، تاکہ وہ اپنی فوج، حوالی، اور ذاتی اخراجات پورے کر سکے (۱)

جب یورپ میں کاروںجین اور میرونجین سلطنتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے اپنے جزلوں اور اعلیٰ عمدے داروں کو جاگیریں دیں تاکہ وہ ان کی مدد سے حکومت کر سکیں۔ لیکن جب نویں اور دسویں صدی میں یہ خاندان کمزور ہوئے تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فیوڈل لارڈز نے جاگیروں پر قبضہ کر لیا اور ان کو خاندانی طور پر موروثی بنالیا۔ یورپ کے سیاسی حالات نے انہیں خود مختار ہونے میں مدد دی۔ کیونکہ جب عربوں، نورز (Norse) اور میگارز (Magyars) نے امپائر پر حملے شروع کئے تو ان حملوں کے نتیجہ میں مرکزی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی اور مقامی فیوڈلز اپنے اختیارات بڑھاتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے علاقوں کی دفاع کی ذمہ داری خود لے لی (۲)

چونکہ اس دور میں حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے گھر سواروں کی ضرورت ہوتی تھی، اس لئے فرانس، نارمن انگلستان اور اپین میں گھر سواروں کی اہمیت بڑھ گئی۔ ان حملوں کی وجہ سے، حفاظت کی خاطر لوگ اپنے گھر، لارڈ کے قلعہ یا قلعہ بند خانقاہ کے گرد بناتے تھے۔ اسی لئے لارڈ کا لفظ لاوارڈ (Law-Ward) سے نکلا ہے۔ اس کے برعکس ڈیوک کے معنی اس شخص کے ہیں کہ جوراہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح سے سربراہ کے لئے لاطینی میں ڈومی نس (Dominus) اطالوی میں سینور (Senior) فرانسیسی میں سینیر (Seigneur) جرمن میں ہر (Herr) اور انگریزی میں یہ لارڈ ہو گیا۔ اس کے محل کے گرد پچاہ سے لے کر پانچ سو تک کسان رہا کرتے تھے۔ گاؤں جائداد کا ایک حصہ ہوتا تھا جس کے انتظام کے لئے عمدے دار لارڈ مقرر کرتا تھا۔ لارڈ کی اس قربت کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں میں اس کے لئے وفاداری کے جذبات پیدا ہوئے۔ (۳)

فیوڈل ازم کی بنیاد باہمی تعلقات اور وفاداری پر تھی۔ کسان اپنے لارڈ کے لئے فوجی خدمات سرانجام دیتا تھا جس کے عوض وہ اسے موروثی طور پر کاشت کے لئے زمین دے دیتا تھا۔ اس کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ معمولی فیس دے کر اس کا تندور روٹی پکانے کے لئے، اس کی مل آٹا پینے کے لئے، اس کے آلات شراب کشید کرنے کے لئے اور اس کا جنگل لکڑیاں کاٹنے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ لارڈ کسانوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کی بے دخلی سے گریز کرتا تھا بلکہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ وہ اس کی زمین پر انہیں (۴)

برقرار رکھے۔

ابتداء میں جاگیر یا زمین کی موروثی حیثیت نہیں تھی، فیوڈل لارڈ جسے یہ زمین دی گئی تھی اس کے مرنے کے بعد خاندان کا حق اس پر سے ختم ہو جاتا تھا۔ مگر بعد میں اس میں تبدیلی آئی اور ان خاندانوں نے جاگیروں کے مالک تھے یہ کوشش کی کہ اے موروثی کر دیا جائے۔ ۸۶۸ء میں چارلس دی بالڈ کے زمانہ میں وراثت کا اصول اس شرط پر قائم ہوا کہ اگر لڑکا قابل ولائق ہو تو وہ وارث ہو گا۔ لیکن لڑکے کی قابلیت و ذہانت کے بارے میں معیار قائم کرنا مشکل تھا اس لئے اس شرط نے جائداد پر خاندان کا حق قائم کر دیا۔ (۵)

آگے چل کر جائداد و جاگیر کی کئی شکلیں ابھریں، مثلاً اس کی ایک شکل یہ تھی کہ جاگیر کو وقتی طور پر یا زندگی بھر کے لئے کسی امیر یا جاگیردار کو استعمال کے لئے دے دیا جائے تاکہ اس کا لینے والا اس سے فائدہ اٹھائے۔ جاگیر کی دوسری قسم قابل ورثہ ہوتی تھی پہلے زندگی بھر کے لئے دی جاتی تھی، پھر اسے وراثت میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ تیسرا وہ جاگیر تھی جو تین پستوں کے لئے دی جاتی تھی۔ (۶)

وراثت کے اصول کے تحت جائداد بڑے لڑکے کو ملتی تھی۔ رومیوں میں یہ اصول نہیں تھا۔ لیکن بعد میں جائداد کے تحفظ کے لئے یہ اصول قائم ہوا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ بڑا لڑکا پختہ ذہن کا مالک ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جائداد اس کے پاس جائے جو اسے برقرار رکھ سکے اور فوجی خدمات و معاشی ضروریات کو بحسن و خوبی سرانجام دے سکے۔ چھوٹے لڑکے جائداد سے محروم ہو کر دوسری خدمات پوری کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر فوجی مضمون جو بن جاتے تھے اور خود سے علیحدہ جائداد بناتے تھے۔ (۷)

ویسل

بڑے فیوڈل لارڈ اپنے متولیین کو جو ویسل (Vassal) کہلاتے تھے ان کی خدمات کے عوض زمین کا ایک حصہ معاہدہ کسانوں کے دے دیتے تھے۔ مگر زمین کا مالک لارڈ ہی رہتا تھا۔ یہ ویسل اپنی زمین کو آگے چل کر اور دوسرے متولیین کو دے سکتا تھا، اور ان

کے درمیان تعلقات و شرائط کی نوعیت وہی ہوتی تھی، جو کہ اس کے اور لارڈ کے درمیان ہوتی تھی۔ اس طرح معاشرہ میں جاگیرداروں کی درجہ بندی ہو گئی۔ اس میں سب سے اوپر بادشاہ ہوتا تھا، پھر فیوڈل لارڈ، پھر اس کے ویسلز اور پھر ان کے ویسلز۔ انہیں آپس میں ملنے والا رشتہ ان کے معاشی و سیاسی مفادات ہوتے تھے۔ یہ نہ صرف ایک دوسرے کے وفادار رہتے تھے بلکہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے تھے۔

ایک ویسل لارڈ سے جاگیر پانے کے بعد مخصوص قسم کی رسومات سے گزرتا تھا۔ جاگیر کے عوض اس کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ لارڈ کی خدمت کرے۔ اس کے لئے اسے باقاعدہ عمد لینا پڑتا تھا، یہ عمد بابل یا مقدس تبرکات پر لیا جاتا تھا۔ بابل یا تبرکات کی اہمیت قرون وسطی میں عقیدے کے لحاظ سے تھی۔ کیونکہ اس کے بعد بد عمدی کرنے والا خدا یا ولیوں کے ساتھ بد عمدی کرتا تھا اس کی وجہ سے ان میں سزا کا خوف رہتا تھا۔

وفاداری کے عمد کی یہ رسم مجلس میں ادا کی جاتی تھی۔ اس میں ویسل نگے سر لارڈ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور معہ ہتھیاروں کے اس کے سامنے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں کے درمیان رکھتا تھا۔ لارڈ اس عمل سے اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتا تھا۔ ہاتھوں کے اس عمل سے خود پر دگی یا خود کو دوسرے کے حوالے کرنا تھا۔ اسی سے یہ محاورے نکلے ”ہاتھ تھمانا“ ”ہاتھ میں ہاتھ“ دینا وغیرہ اس کے بعد وہ لارڈ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا اور اس سے وفاداری کا عمد کرتا تھا۔ اس رسم کے بعد لارڈ اسے اٹھاتا تھا اور اس کو بطور علامت گھاس، عصا، اور دستانے دیتا تھا۔

ویسل اس سے یہ عمد کرتا تھا کہ وہ اپنے لارڈ پر کبھی حملہ نہیں کرے گا۔ اگر اس کے خلاف کوئی سازش ہو گی تو اسے اطلاع دے گا۔ جنگ میں اس کی مدد کرے گا اور اسے میدان جنگ میں تنہائیں چھوڑے گا وہ۔ لارڈ کی بیوی، بہن، یا بیٹی کو نہ تو در غلائے گا اور نہ ہی ان کی عزت لوٹنے کی کوشش کرے گا۔ عمد نامہ ٹوٹنے کی وجوہات یہ تھیں کہ اگر لارڈ اسے قتل کرنے کی کوشش کرے، اسے مارے، اس کی جائیداد میں سے حصہ لے، اسے غلام بنانے کی کوشش کرے، اس پر تلوار سے حملہ کرے، اس کی حفاظت نہ کرے، اس کی بیوی و

لڑکی کو ورغلائے، ایسی صورت میں وسیل دستانے پھینک کر وفاداری کا عمد توڑ لیتا تھا۔ (۸)

نویں صدی تک جاتے جاتے یہ صورت ہوئی کہ ایک وسیل کنی لارڈز رکھ لیتا تھا۔ اس وجہ سے عمد نامہ کمزور ہو گیا۔ کیونکہ اگر ان لارڈز کے درمیان جنگ ہو جائے کہ جن کا وہ وسیل ہے تو اس کے لئے یہ مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کس کا ساتھ دے (۹) اس عمد نامہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سیاسی حالات کی وجہ سے لارڈ اور وسیل کے درمیان بد اعتمادی کی فضام موجود تھی، اس لئے وہ عمد نامہ کو جس میں ایک طرف مذہب شامل ہو جاتا تھا اور دوسری طرف رسومات اور لوگوں کی شہادت، ان بنیادوں پر وہ اسے مستحکم کرتے تھے، دونوں جانب سے عورتوں کے سلسلہ میں جو عمد لیا جاتا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کس قدر غیر محفوظ تھی، اس لئے اس کی حفاظت کے لئے عمد نامہ میں اس دفعہ کو شامل کر دیا گیا۔ لیکن تاریخی شہادتوں سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس عمد نامے کے باوجود دونوں طرف سے بد اعتمادی کی فضاقائم رہتی تھی، اور موقع ملنے پر دونوں ہی اپنے عمد کو توڑنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

ابتداء میں وسیل کو ملنے والی جاگیر موروثی نہیں ہوتی تھی۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ موروثی ہو گئی۔ باپ کے مرنے پر بینا کچھ رقم دے کر اس کا وارث ہو جاتا تھا۔ اگر لڑکا نابالغ ہوتا تو اس صورت میں یہ لارڈ کی وارڈشپ میں رہتا تھا۔ لڑکی کی صورت میں بھی وارڈشپ کا دستور تھا۔ وسیل کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ اگر لارڈ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو اس کی تاوان کی رقم میں وہ حصہ دے گا۔ جب لارڈ کا بڑا لڑکا نائٹ ہوتا اور اس کی لڑکیوں کی شادی ہوتی تو اس صورت میں بھی وسیل کو رقم دینی ہوتی تھی (۱۰)

چرچ بطور فیوڈل ادارہ

یورپ میں چرچ بھی ایک فیوڈل ادارہ بن گیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اور بڑے فیوڈل لارڈز ثواب کی خاطرا اور چرچ کی حمایت کی خاطرا سے بطور عطیہ زمین دیا کرتے تھے۔ اس

نے چرچ کو یورپ کا سب سے بڑا فیوڈل ادارہ بنادیا۔ چرچ کے عمدے دار آرج بشپ۔ بشپ اور ایپٹ بادشاہ سے وفاداری کا حلف لینے لگے اور انہیں ڈیوک و کاؤنٹ کے خطابات ملنے لگے۔ یہ جاگیریں چونکہ چرچ کی ملکیت ہوتی تھیں، اس لئے اس کے منتظمین اور عمدے دار بدلتے رہتے تھے مگر ان کی آمدنی چرچ کو جاتی تھی۔ چرچ کی دولت کی وجہ سے طبقہ امراء کے لڑکے چرچ کے اعلیٰ عمدوں پر فائز ہوتے تھے۔ چرچ کو بھی فیوڈل لارڈز کی طرح سکھ ڈھانے، عدالت میں فیصلے کرنے، زراعت کا انتظام سنبھالنے، اور فوجی خدمات انجام دینے کے اختیارات ہوتے تھے۔

خاص حالات میں جب حکمرانوں کی مالی حالت خراب ہوتی تھی تو اس وقت وہ چرچ کی زمینوں پر قبضہ بھی کر لیتے تھے۔ مگر اس کا انحصار اس پر تھا کہ حکمران کس قدر طاقتور ہے۔ فرانسیسی انقلاب میں بھی چرچ کی زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں فروخت کر دیا گیا تھا کیونکہ اس وقت ریاست کی مالی حالت خراب تھی اور اسے اپنے دفاع کے لئے پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔

سرف یا کسان

فیوڈل نظام میں سرف یا کسان اپنے لارڈ کی زمین پر کاشت کرتا تھا۔ اس کے مالک کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ جب چاہے اسے زمینوں سے بے دخل کر دے۔ اس کے مرنے پر اگر مالک چاہتا تھا تو کاشت کا حق اس کے لڑکوں کو دے دیتا تھا۔ فرانس میں مالک اپنے سرف کو فروخت بھی کر سکتا تھا، یا وقتی طور پر اس کی محنت کا معاوضہ لے کر اس کی خدمات دوسرے کے حوالے کر دیتا تھا۔ اگر وہ آزادی کا خواہش مند ہوتا تو اسے اپنا تمام اثاثہ مالک کے حوالے کرنا پڑتا تھا۔ روں میں جب جاگیر فروخت کی جاتی تھی تو اس کے ساتھ میں کسانوں کو بھی فروخت کر دیا جاتا تھا، اس طرح انہیں زمین کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ انگلستان میں کسان پر پابندی تھی کہ وہ گاؤں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا، اگر وہ فرار ہوتا تو اس کا ایسے ہی تعاقب کیا جاتا جیسے بھاگے ہوئے غلام کا۔

اسے لاتعداد نیکس دینے ہوتے تھے۔ فیوڈل لارڈز کی معرفت حکومت کا نیکس۔ اس

کے بعد فصل، مویشیوں اور چرچ کائیکس۔ کھیت میں کام کے علاوہ بیگار کے طور پر اس سے جنگل صاف کرائے جاتے تھے۔ دل دیں پایا ب کرائی جاتی تھیں، ان کے علاوہ نسروں کا کھودنا اور نسروں پر بند باندھنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھے۔ اسے لارڈ کا اناج پینا، روٹی پکانا اور بیسر کشید کرنا بھی پڑتا تھا۔ اگر لارڈ کی مرضی ہوتی تو وہ اس کا کام کا اسے معمولی معاوضہ دے دیا کرتا تھا۔ اگر وہ دریا یا نہر سے مچھلیاں پکڑتا، جنگل میں شکار کرتا، اور خالی زمینوں پر مویشی چراتا تو اسے ان کا بھی نیکس دینا پڑتا تھا۔

اگر اس کا کوئی مقدمہ لارڈ کی عدالت میں جاتا تو اس کے جرم کے حساب سے اسے فیس دینی ہوتی تھی۔ اگر اس کا لارڈ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا تو اس کے تاوان کی رقم بھی انہیں سے لے جاتی تھی۔ وہ مارکیٹ یا گاؤں کے میلے میں جو چیز بھی فروخت کرتا تو اس پر نیکس دینا ہوتا تھا۔ اسے یہ اجازت نہیں تھی کہ مارکیٹ میں وہ لارڈ کی بیر یا شراب سے پہلے اپنی بیر یا شراب بیچے۔ اگر اس کا لڑکا تعلیم حاصل کرنا چاہتا یا چرچ کی ملازمت کا خواہش مند ہوتا تو اسے جرمانہ دینا پڑتا تھا، کیونکہ اس صورت میں کھیت میں کام کرنے والے کم ہو جاتے تھے۔ اسی لئے جب انگلستان میں سنڈے اسکول شروع ہوا تو فیوڈل لارڈز کی طرف سے یہ شرط تھی کہ لڑکوں کو صرف پڑھنا سکھایا جائے لکھنا نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ ملازمت کر کے باہر جاسکتے تھے۔

اگر وہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کرتا تو اسے اس کے لئے اجازت لینی ہوتی تھی۔ پرانی روایت کے تحت لارڈ کو پہلی رات کا حق تھا، بعد میں کسان جرمانہ دے کر اس حق کو خرید لیتا تھا، اگر کس لڑکی یا عورت کے کسی سے ناجائز تعلقات ہوتے تھے تو لارڈ اس کی تمام اشیاء ضبط کر لیتا تھا۔ اگر کسان لاولد مر جاتا تو اس صورت میں اس کے مکان پر لارڈ قبضہ کر لیتا تھا (۱۱)

کسان کی زندگی نیکوں کی بہتات اور کم آمدی کی وجہ سے انتہائی مفلسی و عسرت میں گزرتی تھی۔ اس کے رہنے کے لئے کچھ مکانات ہوتے تھے جن میں مشکل سے ایک یا دو کمرے ہوتے تھے۔ یہیں پر آتشدان، تندور اور آٹا گوندھنے کی نامہ ہوتی تھی۔ آتشدان کے قریب گھاس یا پروں سے بھرا ہوا گدا ہوتا تھا۔ اس پر رات کو تمام گھروں والے

سویا کرتے تھے۔ صفائی کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس لئے کمرے میں سخت بدبو ہوا کرتی تھی۔ مکان کے قریب مویشیوں کا بازار ہوتا تھا۔

کسان کا لباس سادہ ہوتا تھا۔ قیص کپڑے یا کھال کی بنی ہوتی تھی۔ ان کی اکثریت ان پڑھ ہوتی تھی، لیکن اگر کوئی لکھ پڑھ جاتا تھا تو وہ ان پڑھ فیوڈل لارڈ کے لئے غصہ و توجیہ کا باعث ہوتا تھا۔ حالات کی سختی نے اس میں غصہ، درشتگی اور کھردراپن پیدا کر دیا تھا۔ اس ماحول میں توہم پرستی فروغ پر تھی۔ مذہب سے اسے کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا مگر مجبوراً اسے عبادت میں شرکت کرنی پڑتی تھی۔ (۱۲)

اس کا سماجی رتبہ معاشرہ میں انتہائی کم تر تھا۔ نہ تو اسے قابل عزت سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس کا احترام کیا جاتا تھا۔ اطاعت و فرمان برداری اور وفاداری کے جذبات نے اس کی شخصیت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اعلیٰ طبقہ کی نظروں میں وہ ایک جاہل، وحشی، اجدہ، اور غیر مہذب تھا جس کے کوئی حقوق نہیں تھے، صرف فرانپٹ تھے۔ سیاسی و سماجی شعور کی کمی کی وجہ سے وہ اس نظام کا عادی تھا اور اس کے خلاف بغاوت کو وہ جرم گردانتا تھا۔

۱۸۹۷ء میں چیخوف نے روس کے کسانوں کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ لوگ گاؤں میں مویشیوں کی طرح رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اٹھنا و بیٹھنا دوبھر ہے کیونکہ یہ جاہل، غلیظ، گندے، بے ایمان اور نشہ باز ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ پر امن نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ جھگڑا لوہیں۔ وہ ہر ایک پر شبہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ اور ہر ایک سے ڈرتے ہیں۔ پھر وہ یہ سوال کرتا ہے کہ آخر ان کی یہ حالت کیوں ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کیونکہ یہ سخت محنت کرتے ہیں، سردی کی سختی، خراب فصلوں، کھانے کی کمی، اور کسی مدد کی توقع نہ ہونے سے ان کا کردار اس طرح سے تخلیل پا گیا ہے۔ (۱۳)

کسان کی زندگی میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا، اور نہ تبدیلی کا کوئی عصر ان کے روزمرہ کے معمولات میں فرق لاتا تھا۔ یہ ولین (Villein) کملاتے تھے جس کا مطلب تھا کہ لارڈ کے غلام یا اس کے تابع دار۔ اسی سے بعد میں ولینیٹی (Villainy) کا لفظ لکلا جس کے معنی بدمعاشی اور غنڈہ گردی ہو گئے۔ کسانوں میں کوئی ہیر و یا عظیم شخصیت پیدا

نہیں ہوئی کہ جسے تاریخ میں بروائیلیم کیا گیا ہو۔ انہیں باغی، مسخرے، اور بھانڈ سمجھا جاتا تھا، مگر یہی لوگ تھے جو محنت کرتے تھے، پیدا اوری عمل میں حصہ لیتے تھے، انہیں کی محنت سے کمالی دولت پر فیوڈل ازم کے لکھر کی بنیاد تھی۔— تاریخ کی ستم طرفی ہے کہ جو لکھرانہوں نے پیدا کیا، اسی میں ان کو حقیر سمجھا گیا۔— چرچ اور کیتھرول، محلات و باغات، ادب و شاعری، رقص و موسیقی، جوان کی محنت کے نتیجہ میں تخلیق ہوئی اسی میں سے یہ غائب ہیں۔ چرچ اور کیتھرول میں ان کی جگہ سب سے پچھے ہوتی تھی۔ مصوروں اور مجسمہ سازی کے وقت ان کو چھوٹا اور بھدا دکھایا جاتا تھا، شعرو شاعری میں ان کا تمسخر اڑا یا جاتا تھا اور تاریخ کے صفحات میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔

لیکن ایسا نہیں تھا کہ کسان محض ظلم سنبھالنے والے ہوں۔ تاریخ میں ان کی بغاوتیں بھی ہیں کہ جو وقتاً فوقتاً انہوں نے فیوڈل نظام اور اس کی سختیوں کے خلاف کیں چودھویں صدی کے اندر کسانوں کی بغاوتوں کا ایک سلسلہ ہے جو مغربی یورپ میں چلا۔ ۱۳۲۳ء سے لے کر ۱۳۲۷ء میں فلانڈریس میں ۱۳۵۸ء میں پیرس کی بغاوت اور ۱۳۸۱ء میں انگلستان میں ایسٹ انگلینڈ میں۔ اپین اور جرمن میں بھی کسانوں کی بغاوتیں ہوئیں۔ اٹھارویں صدی میں روس میں پگاشوف کی سربراہی میں سب سے بڑی کسانوں کی بغاوت ہوئی۔ اگرچہ ان بغاوتوں کو سختی سے کچل دیا گیا مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ کسانوں میں ناالنصافی اور ظلم کے خلاف شعور موجود تھا، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ محض وحشی اور جاہل تھے اور نظام سے مطمئن تھے۔

امتیازات اور مراعات

فیوڈل معاشرے کی اہم خصوصیت طبقاتی فرق کو برقرار رکھنا بلکہ اسے مضبوط بنانا تھا۔ اس لئے اس کا اظہار ان امتیازات اور علامات سے کیا جاتا تھا کہ جو طبقہ اعلیٰ کے پاس تھیں۔ مثلاً ہتھیار رکھنے کی اجازت صرف امراء کو تھی، گھوڑے پر سوار ہو کر لڑنا، اور ہتھیار بند ہو کر لڑنا بھی امراء کے لئے مخصوص تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی اس زمانہ میں ہتھیار اور جنگ کا اسلوں کا اتنا منگا تھا کہ صرف امراء ہی انہیں خرید سکتے تھے۔ اس لئے پہلے یہ

ان کی مراحت بنی اور پھر قانون بن گیا (۱۳) اس کے علاوہ فرق کو قائم رکھنے کے لئے نائٹ، امیر، اور فیوڈل لارڈ کے لئے کاشتکاری کرنا، ہاتھ سے کام کرنا، اور محنت کرنا منوع ہو گیا (۱۵)

فیوڈل لارڈ کی برتری اور اقتدار کو قائم کرنے کے لئے اسے یہ حق تھا کہ وہ اپنی رعایا کو سزادے سکتا ہے۔ اس لئے اس عمد میں ہمیں سخت اور مثالی سزاوں کا ذکر ملتا ہے کہ جن میں کوڑے مارنا، چہرے کو داغنا، دروغ گولی و توہین کے کلمات ادا کرنے پر زبان کو گرم لو ہے کی سلاح سے چھیدنا، جسم کے حصوں کو کاشنا، مسخ کرنا، ہاتھ، پیر اور ناک جسم سے علیحدہ کرنا، آنکھیں نکالنا، اور عورتوں کے قاتل کو زندہ دفن کرنا، شامل تھے۔ (۱۶) ان سزاوں کی وجہ سے کسان اور عام آدمی مکمل طور پر اپنے لارڈ کے رحم و کرم پر تھا۔

سزاوں کی سختی اس وجہ سے تھی کیونکہ محروم و مفلس کسان اپنی زندگی کی بقا کے لئے چوری بھی کرتا تھا، جرم کو چھپانے کے لئے جھوٹ بھی بولتا تھا، غصہ میں آکر وہ توہین آمیز کلمات بھی زبان سے نکال دیتا تھا۔ اس کے ان دبے ہوئے جذبات اور غم و غصہ کو روکنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ اسے سخت سزادی جائے کہ جس کے خوف سے وہ خاموش رہے، اور دوسروں کو ان سزاوں سے عبرت ہو۔

نائٹ

فیوڈل معاشرے میں تین طبقے اہم ہوتے تھے عبادت کرنے والے، لڑنے والے، اور کام کرنے والے۔ ان میں اہم طبقہ کا کہ جس کے پاس قوت و طاقت اور دولت تھی وہ جنگ جوؤں کا تھا۔ جنگ زمین کی حفاظت کے لئے بھی لڑی جاتی تھی، اور دوسروں کی زمین پر قبضہ کے لئے بھی۔ اس لئے اس عمد میں جنگ ایک پیشہ بن گئی تھی، ایک ایسا باعزت اور باوقار پیشہ کہ جس کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا جاتا تھا۔ جنگ جو یانہ مہارت معاشرے میں قابل احترام خصوصیت بن گئی تھی۔ ان حالات میں قرون وسطی میں نائٹوں کے سلسلے وجود میں آئے۔ ان پر عربی کی قائم کی ہوئی تحریک فتوی کا اثر تھا (۱۷)

نائٹوں کے مختلف سلسلے عزت و عظمت اور وقار کی نشان بن گئے اس لئے اس میں

فیوڈل خاندان کے لڑکوں نے شمولیت اختیار کرنی شروع کر دی۔ اکثر خاندان کا بڑا لڑکا نائٹ بتاتا تھا کیونکہ وہی اس قابل ہوتا تھا کہ جو اس کے اخراجات برداشت کر سکتا تھا۔ نائٹ کی تربیت سات یا آٹھ سال کی عمر سے شروع ہو جاتی تھی۔ اس عمر میں وہ دربار میں بطور چیج (Page) یعنی خدمت گار کے رہتا تھا۔ بارہ سے چودہ سال کی عمر میں وہ لارڈ کا اسکوئر ہو جاتا تھا۔ اس مرحلہ پر اس کو جنگ کی تربیت دی جاتی تھی وہ مختلف قسم کے کھیلوں میں حصہ لیتا تھا۔ جب اس کی تربیت مکمل ہو جاتی تھی تو نائٹ کی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ ”نائٹ آف دی سورڈ“ وہ آف دی باتھ ”کو غسل دینے کے بعد سلسلے میں شامل کیا جاتا تھا۔ ”نائٹ آف دی سورڈ“ وہ ہوتے تھے کہ جنوں نے کسی جنگ میں فتح حاصل کی ہو۔ نائٹوں کا اپنا مخصوص لباس ہوتا تھا۔ اس میں سفید چوغہ، سرخ جبہ اور کالا کوٹ ہوا کرتے تھے۔ یہ تینوں علامتی طور پر کردار کی صفائی، خدا کے لئے خون بہانا، اور موت کے لئے تیار رہنے کو ظاہر کرتے تھے۔

نائٹ کی رسم سے پہلے وہ رات بھر چرچ میں عبادت کرتا تھا۔ پھر اسے مقدس میز پر تلوار گلے میں ڈال کر لا یا جاتا تھا۔ یہاں پادری تلوار اتار کر اسے واپس دے دیتا تھا۔ اس کے بعد وہ اس لارڈ کے پاس جاتا جس سے اسے نائٹ ہدایتی ہوتی تھی۔ اس موقع پر وہ اس سے درستگی سے یہ سوال کرتا تھا کہ ”تم کس مقصد کے لئے اس سلسلہ میں آنا چاہتے ہو؟“ اس کے جواب کے بعد اسے نائٹ کا لباس پہنایا جاتا تھا۔ اسلحہ دیا جاتا تھا، اور پھر اس خوشی میں دعوت کا انتظام ہوتا تھا (۱۸)

جب نائٹ ہونا امتیاز ہو گیا۔ تو اس کے محدود کرنے کی کوششیں ہوئیں تاکہ یہ امتیاز چند مخصوص لوگوں کے پاس رہے۔ اس لئے تیرھویں صدی میں یہ اصول قائم ہوا کہ نائٹ وہی ہو سکتا ہے جس کا باپ بھی نائٹ ہو۔ اس طرح اس کو بھی موروثی بنادیا گیا۔ ۱۱۸۹ء میں یہ قانون ہنا یا گیا کہ کسانوں کے لڑکے نائٹ نہیں ہو سکتے ہیں۔ (۱۹) ان قوانین سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امراء اور فیوڈل لارڈ کے طبقوں کے علاوہ دوسرے طبقوں کے لوگ بھی اپنی ذاتی صلاحیتوں اور خوبیوں کی وجہ سے نائٹوں کے سلسلہ میں آرہے تھے اور شاید ان کی وجہ سے قدیمی دموروٹی نائٹوں کو مقابلہ کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا ہو، اس لئے

انہوں نے مقابلہ سے بچنے کے لئے یہ اصول وضع کیا کہ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو صرف نائٹوں کے خاندان میں رہنا چاہئے۔ لیکن یہ بات بھی آگے چل کر ظاہر ہو گئی کہ جب نائٹوں نے خود کو محدود کر لیا تو اس صورت میں اس ادارے میں زوال آنا شروع ہو گیا اور جن روایات کی بنا پر اس ادارے نے شرت حاصل کی تھی وہ روایات مسخ ہونا شروع ہو گئی۔

نائٹ کو اپنی زندگی اور اپنے عمل کو ایک اعلیٰ معیار پر قائم رکھنے کے لئے بہت سے عمد لینا پڑتے تھے۔ خصوصیت سے ایسی باتوں اور مشغلوں سے پرہیز کرنا پڑتا تھا کہ جن میں لذت، تفریح، اور لطف ہو۔ جیسے اچھا کھانا شراب، جنسی تعلقات، کھیل و لباس، آرام دہ بستر، رقص و موسیقی وغیرہ۔ ان کے ہاں سب سے زیادہ زور عورتوں کی عزت پر تھا، ان کی حفاظت کے لئے یہ جان تک دے دیتے تھے۔ اگر کسی سے اس کی خلاف ورزی ہو جاتی تھی تو ان کے نتیجہ میں اس کی عزت اور وقار ختم ہو جاتا تھا۔ نائٹ ہڈ کے سلسلوں میں شولری (Chivalry) کا ایک خاص تصور تھا جس کے تحت مظلوموں و زیر دستوں کی حفاظت، دادرسی، ان کے حق کے لئے لڑنا اور اپنے مفادات کو پس پشت ڈالنا شامل تھا۔ ان کے لئے بہترین موت وہ تھی کہ جو میدان جنگ میں ہو۔

نائٹوں کے سلسلوں کو صلیبی جنگوں کی وجہ سے بڑا عروج ملا کیونکہ یہ جنگیں ان کے لئے مذہبی ہو گئیں اور ان میں لڑنا باعث ثواب ہو گیا۔ مگر اس کے علاوہ بھی یہ ہمیشہ جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے۔ جنگ کے لئے ان کے اصول و ضوابط تھے مثلاً لینٹ (Lent) کے موسم میں کہ جو ایسٹر سے پہلے ہوتا تھا یا جب فصلیں تیار ہوتی تھیں (۱۵/اگست سے ۱۱/نومبر تک) چھٹیوں کے دنوں میں ہر ہفتہ میں کچھ دن یعنی بدھ کی رات سے پہلی صبح تک، یہ جنگ نہیں کرتے تھے۔ جب یہ عادضی صلح کرتے تو یہ ۸۰ دن کی ہوتی تھی (۲۰)۔

اگر نائٹ جنگ میں قید ہو جاتا تھا تو اسے تاؤان دینا پڑتا تھا۔ یہاں بھی طبقاتی فرق کو قائم رکھا گیا تھا۔ غریب سپاہیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہوتے تھے کہ تاؤان کی رقم ادا کر سکیں۔ امراء اور نائٹوں سے تاؤان لیا جاتا تھا۔ ایک نائٹ کو اس وعدہ پر

چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ تاؤان کی رقم لے کر آئے گا۔ اکثر وہ یہ وعدہ پورا کرتا تھا۔ قید کے دوران، تاؤان کی اوایل تک وہ میزبان کی فیاضی سے لطف اٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ شکار کھیلتا تھا، دعویں اڑاتا تھا، مگر فرار ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ (۲۱)

جب جنگ نہیں ہوتی تو یہ ٹورنامنٹ میں حصہ لیا کرتے تھے جہاں دونائیوں کے درمیان تلوار بازی اور نیزہ زنی کے مقابلے ہوتے تھے۔

ناٹ کی فوجی طاقت کا اس وقت زوال شروع ہوا جب بارود کا استعمال شروع ہوا۔ چونکہ بندوق اور توپ دور سے نشانہ بناتی تھیں، اس لئے اب جنگ عزت و وقار کا ذریعہ نہیں رہی۔ اس ایجاداً نے اس کی ذاتی بہادری و شجاعت پر گھری ضرب لگائی کیونکہ وہ گھوڑے پر سوار دشمن سے مقابلہ کرنے کو بہادری سمجھتا تھا۔ بارود کی ایجاداً نے بادشاہ کی طاقت کو بھی بڑھایا کیونکہ اس کے بعد اب فیوڈل لارڈز کے قلعہ و حولیاں اس کی توپوں کی زد میں تھیں کہ جن سے وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے فیوڈل لارڈز کی خود مختاری کی گلہ مطلق العنان اور طاقت ور حکمرانوں کا سلسلہ شروع ہوا جنہوں نے انہیں زیر کر کے اپنے ماتحت کر لیا اور مرکزی حکومت کو طاقت ور بنالیا۔

فیوڈل لارڈ کا رہنمائی سن

فیوڈل نظام میں سب سے زیادہ اہم شخصیت فیوڈل لارڈ کی ہوا کرتی تھی جس کے رہنمائی سن میں اس نظام کی تمام خصوصیات پوری طرح سے جھلکتی تھیں۔ ایک طرف وہ انتہائی طاقت ور اور کسانوں کا استحصال کرنے والا تھا، تو دوسری طرف وہ ان کا سپرست، محافظ اور نگہبان ہوا کرتا تھا۔ عمد و سلطی میں ایک زمیندار کے طرز زندگی اور رہنمائی سن کے بارے میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اس طرح سے ہے۔ اس کی طاقت و قوت اور دولت کی سب سے بڑی علامت اس کا قلعہ نما گھر ہوا کرتا تھا جس کے ارد گرد خندق کھود کر اسے محفوظ کیا جاتا تھا۔ اس کا یہ قلعہ اسے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتا تھا، اور جب لوگ اس سے ملنے کے لئے ان رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے جاتے کہ جو قلعہ کے راستے میں ہوتیں تھیں تو انہیں اپنے آقا اور مالک کی قوت کا احساس ہوتا تھا اور جب وہ تمام مشکلات کو سہہ کر

اس تک پہنچتے تو انہیں کامیابی کا احساس ہوتا کہ وہ ایک مشکل راہ طے کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

قلعہ کے برجوں پر پھرہ ہوتا تھا اور یہاں پر ہر آنے والے پر نگاہ رکھی جاتی تھی۔ اس کا نفیاں اثر بھی مسمانوں پر ہوتا تھا۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو دور سے ان پہریداروں کو دیکھتے تھے وہ خود کو ہمیشہ نگرانی میں گھرا ہوا پاتے تھے جس کی وجہ سے جاگیردار کی شخصیت ان کے ذہنوں پر سوار رہتی تھی۔ اس قلعہ کی دیواریں بھی اندر اور باہر والوں کے درمیان حد فاضل قائم کرتی تھیں۔ جن لوگوں کو ان دیواروں کے اندر آنے کی اجازت مل جاتی تھی، وہ جاگیرداروں کے ساتھ قربت محسوس کرتے تھے۔ جو دیواروں سے باہر تھے، وہ اس فاصلہ کا احساس کرتے تھے کہ جوان میں اور جاگیردار کے درمیان تھا۔

قلعہ میں ہر شخص کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف وہ آسکتے تھے کہ جن کو اس کی اجازت ملتی تھی۔ اس لئے یہ ایک مراعت تھی کہ جو صرف ان لوگوں کو دی جاتی تھی کہ جو کسی خاص اہمیت کے ہوتے تھے۔ رات کے وقت قلعہ کے دروازوں کو مقفل کر دیا جاتا تھا اور یوں اندر اور باہر والوں کے درمیان رابطہ کٹ جاتا تھا۔ اس قلعہ میں ان لوگوں کے لئے تھے خانے ہوتے تھے کہ جنہوں نے جاگیردار کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہو یا جرام میں ملوث پائے گئے ہوں۔ تھے خانوں کی پستی اس بات کی علامت تھی کہ انہیں جرم کی سزا میں بلندی سے پستی میں گرا دیا گیا ہے۔

قلعہ میں ہر فرد کے لئے مخصوص جگہ تھی اور اسے انہیں حدود میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دینے ہوتے تھے۔ اس کے کچھ حصوں میں صرف جاگیردار کے خاص لوگ آسکتے تھے۔ اس حد بندی کی وجہ سے بھی جو علاقے دوسروں کے لئے منوع تھے وہ ان کے لئے پراسرار بن گئے تھے اور قیاس آرائیوں کا مرکز تھے کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟ یہ پراسراریت عام لوگوں کے دلوں میں خوف کو پیدا کرتی تھی۔ ساتھ ہی اس احساس کو بھی کہ ان کا مقام کیا ہے؟

قلعہ کے مختلف حصے جاگیردار اور فوجوں نظام کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کرتے تھے۔ مثلاً برج طاقت کی علامت تھا۔ یہ فتح و کامرانی، بلندی و نگہبانی کو ظاہر کرتا تھا کہ

جہاں سے پورے گاؤں کو دیکھا جاسکتا تھا۔ یہاں پر جاگیر کا انتظام بھی ہوتا تھا تو حملہ کے وقت یہاں سے ہی قلعہ کا دفاع کیا جاتا تھا۔

قلعہ میں بڑے ہال کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ کیونکہ یہ ہال اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز ہوتا تھا۔ یہاں وہ اپنے دوستوں، مہمانوں، اور مصاہبوں سے ملاقات کرتا تھا۔ وہیں پر بیٹھ کر جاگیر کے بارے میں اہم فیصلے ہوتے تھے اور وہیں پر ان کے پاس باہر کی خبریں آیا کرتی تھیں۔ ہال ہی کمرہ عدالت ہوا کرتا تھا کہ جہاں فیوڈل لارڈ مجرموں کی قسمت کا فیصلہ ناتا تھا۔ ہال ہی دعوتوں کے لئے مخصوص تھا اور یہیں پر رقص و موسيقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔

ہال ایک وسیع کشادہ اور کھلی جگہ ہوتا تھا جس میں کئی دروازے ہوتے تھے تاکہ لوگ آسانی سے آسکیں۔ اس طرح یہ لارڈ کی شخصیت کو ظاہر کرتا تھا کہ وہ اس ہال کی طرح فیاض و سخنی اور کشادہ دل ہے اور اس کے دل میں ہر ایک کے لئے گنجائش ہے۔ ہال میں جب لوگ جمع ہوتے تھے تو اس سے ان کے اور لارڈ کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے وفاداری کے جذبات کو تقویت ملتی تھی۔

قلعہ میں کئی اور کمرے ہوا کرتے تھے جو لارڈ کی نجی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتے تھے۔ وہ خود کو کبھی اکیلا دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے ہر وقت مصاہبوں اور ملازموں میں گھر رہتا تھا۔

قلعہ میں مہمانوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہا جاتا تھا کیونکہ اس سے زمیندار کی وسیع القلبی اور فیاضی ظاہر ہوتی تھی۔ ان مہمانوں کی خاطر تواضع کی جاتی تھی تاکہ جب یہ اپنے علاقوں میں جائیں تو اس کی تعریف و توصیف کریں جس سے اس کی شہرت بڑھ جاتی تھی۔ جو مہمان اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے انہیں لارڈ اپنے ساتھ کھانا کھلاتا تھا۔

لارڈ سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں خود حصہ لیتا تھا اور ان پر خصوصی توجہ دیا کرتا تھا۔ گھروالوں اور ماتحتوں کی ضروریات پوری کرنا اس کے دائرے میں آتا تھا۔ جب وہ شکار پر جاتا تو اپنے ساتھ دوستوں اور ساتھیوں کو لے جاتا تھا۔ تفریح کی غرض سے وہ جسمانی ورزش اور جنگ کے مقابلے کرتا تھا۔

بڑے فیوڈل لارڈز اپنے خاندانی شجرے رکھا کرتے تھے جن کا سلسلہ کسی مشہور شخصیت سے ہوتا تھا۔ عورتوں کو ان شجروں میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ فیوڈل لارڈز آپس میں لڑائیاں بھی لڑتے تھے۔ ان لڑائیوں کی اکثر وجوہات عزت و وقار کی پانیابی ہوتی تھی۔ (۲۲) اس لئے اس کی بحالی کے لئے بعض اوقات جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

عورتوں کی حیثیت

یورپ کے فیوڈل معاشرے میں عورت کا رتبہ انتہائی پس ماندہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے گناہوں اور برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ خیال یہ تھا کہ عورت مرد کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے، اس لئے ایک نیک عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لباس، حرکات و سکنات اور طرز گفتگو میں خاص خیال رکھے اور ایسی کوئی بات نہ کرے کہ جس سے مرد کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ چونکہ مرد کے جذبات عورت کے جسم کو دیکھ کر برا نیکختہ ہوتے تھے اس لئے یہ ہدایات تھیں کہ وہ اپنے جسم کو چھپا کر رکھے۔ یہی وجہ تھی کہ قرون وسطی میں عورتیں بھاری بھر کم لباسوں میں چھپی ہوتی تھیں اور لباس اس قسم کا تھا کہ جس سے اس کے جسم کے خدوخال قطعی نمایاں نہ ہوں۔ عورت کو یہ بھی ہدایت تھی کہ وہ نہ تو زور سے بولے، نہ ہنسے، اور نہ ہی کسی سے مذاق و نہضھول کرے، کیونکہ اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں کوئی حیا، شرم، اور وفا نہیں ہے۔

نئے فیشن اختیار کرنا، یا میک اپ کر کے خود کو خوبصورت بنانا، عورت کے لئے عیب تھا کیونکہ سمجھا جاتا تھا کہ خود کو خوبصورت بنانے کا لوگوں کو دعوت گناہ دے گی، یہی کو یہ ہدایت تھی کہ وہ کھانے کے بعد فوراً خواب گاہ میں چلی جائے اور وہاں یا تو عبادت کرے اور یا مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

فیوڈل گھرانے میں یہ عورتوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ بچے کو پیدا کرے، ان کی پروش اور دیکھ بھال کرے، اس کے بعد اپنا وقت گھر پلو کاموں میں صرف کرے، کھانے پکانے اور کپڑے دھونے کی نگہداشت کرے، مکھن پنیر اور بیسکی تیاری میں ہاتھ بٹائے۔

اس کے بعد جو وقت بچے اس میں کشیدہ کاری کرے۔ اگر اس کے شوہر کو جنگی قیدی بنالیا جائے تو یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ تاوان کی رقم جمع کرے۔ اگر شوہر لاوارث مر جاتا تھا تو یہ اس کی وارث ہوتی تھی۔ مگر اسے جلد ہی دوسری شادی کرنی پڑتی تھی کیونکہ جائداد کی حفاظت بغیر مرد کے نہیں ہو سکتی تھی۔ بادشاہ خود اس کی شادی میں دلچسپی لیتا تھا اور اس کے لئے ایک ایسے امیدوار کا انتخاب کرتا تھا جو بہترین فوجی خدمات سرانجام دے سکے۔ (۲۳)

عورتوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ باعفت و عصمت رہیں اور ناجائز جنسی تعلقات سے پرہیز کریں۔ مرد جنسی تعلقات میں آزاد تھا اور کئی عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا تھا جس کی وجہ سے ناجائز بچوں کی تعداد کافی ہوا کرتی تھی۔ (۲۴) لڑکیوں کی تربیت اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ اچھی بیوی بن سکیں۔ اگر ضرورت ہوتی تو انہیں تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سکھا دیا جاتا تھا۔

لڑکے اور تعلیم

فیوڈل لارڈز کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے اور اکثر ان پڑھ رہتے تھے۔ کیونکہ قرون وسطی میں پڑھے لکھے لوگوں کے بارے میں یہ خیال تھا یہ نچلے درجہ کے لوگ ہیں۔ اور انہیں حساب و کتاب کے لئے ملازم رکھا جاسکتا ہے، اس لئے وہ چیز سکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ جو ملازم کر سکتے ہیں۔ چونکہ معاشرے میں سماجی حیثیت اس کو ملتی تھی کہ جس کے پاس زمین اور دولت ہو، اس لئے نوجوان لڑکے جنگ جو یانہ مہلات میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ہتھیاروں کا استعمال ان کے لئے پڑھنے لکھنے سے زیادہ اہم تھا۔ اس لئے علم و دانش وری کو حقارت سے دیکھا جاتا تھا جو سُتی و کاہلی اور بزدلی کی طرف لے جاتی ہے۔

فیوڈل گھرانوں کے لڑکوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ لظم و ضبط، ادب و آداب اور اپنے طبقے کی خصوصیات سے آگاہ ہوں تاکہ ان بنیادوں پر وہ لوگوں میں اپنی شخصیت کو ابھار سکیں اور قابل فخر بن سکیں (۲۵)

فیوڈل نظام کی خصوصیات

اس نظام کا سربراہ یا سردار بادشاہ ہوا کرتا تھا، جو اپنی روحانی طاقت برآہ راست خدا سے حاصل کرتا تھا۔ اپنی طاقت کی وجہ سے وہ بڑے بڑے فیوڈل لارڈز سے اپنی برتری تسلیم کرتا تھا۔ اس نے چرچ اس کو الہی قوت دیتا تھا اور فیوڈلز قانونی اور فوجی طاقت۔ وہ دوسرے فیوڈلز کے مقابلہ میں ذرا تھوڑا سا اونچا ہوا کرتا تھا۔ اسی نے اس میں اور فیوڈلز میں سیاسی برتری کے لئے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ فیوڈلز کو ایک بادشاہ کی اس نے ضرورت تھی کیونکہ وہ اس میں لٹائی جھگڑے میں مصروف رہتے تھے اور ایک دوسرے سے سخت رشک وحد کرتے تھے۔ بادشاہ سیاسی طور پر یہ مناسب سمجھتا تھا کہ ان کی وفاداری پر بھروسہ کیا جائے اور ان کی آزادی میں دخل نہیں دیا جائے۔ اس نے وہ اس میں آزاد تھے کہ اپنے سکے ضرب کرائیں، معابدے کریں، اور اگر موقع ملے تو جنگ بھی کریں۔

فیوڈل ازم میں اس وقت کمزوری آنا شروع ہوئی کہ جب چودھویں صدی میں قحط، بلیک ڈیتھ، (طاعون) اور دوسری فطری آفاتوں کی وجہ سے ملک میں آبادی کم ہو گئی اور انہیں اپنی زمینوں پر کام کرنے والے نہیں ملے۔ اس نے اس عمد میں بڑی بڑی جنگیں شروع ہوئیں، جنگ صد سالہ، وار آف روزز (War of Roses) فرانس، جرمنی، اور اٹلی میں جنگیں۔ ان جنگوں نے فیوڈلز کو اقتصادی اور فوجی طور پر کمزور کر دیا اور اس کے نتیجہ میں پست سے بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔

فیوڈلز کی کمزوری اس صورت میں بھی ظاہر ہونا شروع ہوئی جب انہوں نے اپنی زمینوں کو ٹھیکہ پر دینا شروع کر دیا۔ ٹھیکہ دار ان کی زمینوں کی نگرانی بھی کرتا تھا اور منافع کی خاطر خود بھی زمینوں پر کام کرتا تھا۔ اس نے دولت جمع کرنی شروع کر دی۔ انہیں میں سے تاجر طبقہ ابھرا کہ جس نے زمینیں خرید کر اس کی پیداوار کو شروں میں لا کر فروخت کرنا شروع کیا۔ اسی مرحلہ سے شروں کو دوبارہ سے اہمیت ملنی شروع ہوئی۔ (۲۶)

یورپ میں رومی زوال کے بعد شروں کا زوال ہو گیا تھا۔ فیوڈل طبقہ شروں کو

چھوڑ کر دیہات میں چلا گیا تھا اور غیر محفوظ راستوں اور شروں کی آبادی کے گھٹ جانے کے بعد تجارت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس لئے شروں کی آبادی کم ہو گئی تھی۔ گیارہویں صدی میں صرف پانچ فیصد لوگ شروں میں رہتے تھے۔ بارہویں صدی میں لندن کی آبادی صرف بیس ہزار تھی۔ روم، جورومی امپائر کا دارالحکومت تھا، اب کھنڈر ہو چکا تھا اور اپنی گندگی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس لئے تمام شرگندے اور غلیظ تھے۔ تجارت کرنے والے تاجر اپنا سامان سڑکوں اور گلیوں میں برائے فروخت رکھ دیتے تھے۔ قصائی جانوروں کو دکان کے سامنے ذبح کر کے انہیں لٹکا دیتے تھے۔

شہر میں دست کاروں اور ہنرمندوں کو اپنی جماعتیں یا گلڈ ہوا کرتی تھیں جو اپنی پیشہ و رانہ سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی تھیں۔ چودھویں اور پندرہویں صدیوں میں جاکر یہ گلڈز سیاسی طاقتیں بن گئیں۔ یہ ان کے مفاد میں تھا کہ حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور صنعت و حرفت میں کوئی مقابلہ نہ ہو کیونکہ نئی ایجادات اور مقابلہ سے ان کے پیشوں اور آمدی پر اثر پڑتا تھا۔ انہوں نے جرمنی کے شرڈان زنگ میں ایک موجود کواس لئے مارڈالا کہ اس نے کر گھا (Loom) بنایا تھا۔ یہ اون کے رنگنے کے نئے طریقوں کے بھی مخالف تھے۔

اس عہد میں مذہب کا معاشرہ پر پورا پورا غلبہ تھا۔ چرج کی اس لئے اہمیت تھی کہ اس نے یورپ کو عیسائی بنایا تھا۔ اس مذہبی عقیدت کے اظہار کا ذریعہ چرج اور کتیھڈرل تھے جو کہ بادشاہوں اور بڑے بڑے فیوڈلز نے تعمیر کرائے تھے۔ ۱۰۵۰ء سے لے کر ۱۳۵۰ء تک فرانس میں ۸۰ کتیھڈرلز اور ۵۰۰ چرج تعمیر ہوئے، ان میں وہ چھوٹے چرج شامل نہیں کہ جو ہزاروں کی تعداد میں بنائے گئے تھے۔ چونکہ حمران طبقہ چرج کی مدد کرتا تھا، اسے تحفے اور زمینیں دیتا تھا، اس لئے چرج ایک مستحکم اور طاقت و رادارہ بن گیا تھا کہ جو اس نظام کی حمایت کرتا تھا۔

تیرہویں صدی میں سینٹ ڈوینک نے انکوئیزیشن (Inquisition) کا محکمہ قائم کیا تھا تاکہ جو لوگ چرج سے بغاوت کریں یا اس کی تعلیمات کی دوسری تفسیر کریں، ایسے لوگوں کو شد، سزا، اور خوف سے یا تو خاموش کرا دیا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ اس

ادارے کی زبردست دہشت تھی جس کی وجہ سے نئے خیالات و افکار پر پابندی لگ گئی۔ یہ صورت حال فیوڈل نظام کے حق میں تھی کیونکہ نئے نظریات کی غیر موجودگی میں اسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔

لوگوں کا مجرماں پر یقین تھا، روحیں، جن، شیطان پر اسرار مخلوقات تھیں۔ کنواری مریم کے مجسمے آنکھیں کھولتے تھے اور روتے تھے۔ پھر خون سے سرخ ہو جاتے تھے۔ لوگ فطرت کی تبدیلیوں سے شگون لیتے تھے: آسمان کا سرخ ہونا اور ستاروں کا ٹوٹنا وغیرہ۔ روحوں کا زندوں کی دنیا میں عمل دخل تھا۔ کیمیا کے ذریعہ سونا بنانے کا جنون سائنس، دانوں اور ان کے سرپرستوں کو تھا۔

قرن و سطی کا یہ فیوڈل معاشرہ کچھ مورخوں کے لئے آج بھی دلکش اور رومانوی اثرات کا حامل ہے۔ ایک طویل عرصہ تک یہ نظام اپنی پوری توانائی اور طاقت کے ساتھ رہا۔ اور اس نے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالی کہ جس میں طبقاتی تقسیم کی مستقل حیثیت تھی۔ ایک فرد کے لئے ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں جانا مشکل تھا۔ پیدائش اور خاندان کا سماجی مرتبہ اس کی حیثیت کا تعین کر دیتا تھا اس لئے وہ اپنی پوزیشن پر مطمئن ہوتا تھا۔ اس لئے طبقاتی تضادات بہت کم تھے۔ لوگ اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔ آگے بڑھنے کی خواہشات نہیں تھیں جس کی وجہ سے معاشرہ ایک جگہ ٹھرا ہوا اور پر سکون تھا۔

دیہات میں رہتے ہوئے فرد فطرت کے قریب تھا۔ اس کا تعلق زمین سے تھا اس لئے وہ خود کو فطرت کا ایک حصہ سمجھتا تھا۔ مذہب نے اسے تعلیم دی تھی کہ یہ دنیا فانی ہے۔ دولت و شریت آنے جانے والی تھیں جن کے حصول کی کوشش فضول تھی۔ لیکن فیوڈل ازم کا یہ نظام ٹھرا ہوا نہیں رہ سکا۔ تبدیلی کے عمل نے اس کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں ڈالنا شروع کر دیں۔ اس کے بطن سے ایک اور نظام پیدا ہوا جس نے بالآخر اس کا خاتمه کر دیا۔

حوالہ جات

- ۱۔ ول ڈیورانٹ: The Age of Faith, New York 1950, P.552
 - ۲۔ ایضاً. ص ۵۵۳
 - ۳۔ ایضاً. ص ۵۸ - ۵۵۳
 - ۴۔ ایضاً. ص ۵۶۰
 - ۵۔ ایف۔ ایل۔ گان شوب: فیوڈل ازم۔ لانگ مین ۱۹۵۲۔ ص - ۳۷
 - ۶۔ جان کرج لے: فیوڈل ازم۔ جارج الین اینڈ ان ون ۱۹۷۸۔ ص ۲۷ - ۲۵
 - ۷۔ اس اصول اور قانون کی وجہ سے فیوڈل خاندان کے چھوٹے لڑکوں نے نو آبادیاتی نظام کے پھیلانے میں حصہ لیا۔ کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو فوج، سیاست، اور انتظامیہ بناتے تھے۔ نو آبادیات میں بڑے عمدوں پر بھی یہی لوگ فائز ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے یورپ کی طاقتیں ایشیا، افریقہ اور امریکہ میں اپنی سیاسی اقتدار کو قائم کر سکیں۔
 - ۸۔ کرج لے۔ ص ۳۱، گان شوب: ص ۸۷، ۷۳، ۷۷ ول ڈیورانٹ: انج آف نیٹھ، ص ۵۶۳
- ۲۸، ۳۱

۹۔ سی۔ بروک: Europe in the Central Middle Ages (962-1154) London, 1975. P.18

- ۱۰۔ ایضاً: ص ۹۷ - ۹۶
- ۱۱۔ ول ڈیورانٹ: ص ۵۶ - ۵۵۵
- ۱۲۔ ایضاً". ص ۷۵۷
- ۱۳۔ مبارک علی: تاریخ و انقلاب، لاہور ۱۹۸۸، ۶۲ - ۶۳
- ۱۴۔ مارک بلوخ: فیوڈل سوسائٹی۔ لندن ۱۹۶۲ ص ۹۱ - ۲۹۰
- ۱۵۔ ایضاً. ص ۳۲۹
- ۱۶۔ ول ڈیورانٹ: ص ۵۶۹
- ۱۷۔ فتویٰ نوجوانوں کی ایک تحریک تھی جس کی باقاعدہ تنظیم خلیفہ ناصر (۱۲۲۳ - ۱۱۸۱) نے کی تھی۔ اس تحریک کا رکن بننے کے لئے باقاعدہ رسومات سے گزرنا یزتا تھا۔ اس کے کارکن مظلوم اور

مجوہ لوگوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ کردار کی خوبیوں میں بہادری اور جرات مندی کی اہمیت تھی۔ عوام کی مدد اور ان کی داوری کی وجہ سے یہ تحریک طبقہ اعلیٰ اور حکمرانوں میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی اور وہ اس کے کارکنوں کو غنڈے دلپھ سمجھتے تھے۔ یہ تحریک عرب، ایران، اور ترکی میں رہی۔ اور اس نے یورپ کے نائٹوں کے سلسلوں کو تنظیم و ادب آداب کے سلسلے میں متاثر کیا۔

- ۱۸ - ول ڈیورانٹ: ص - ۷۷ - ۵۷۲

- ۱۹ - مارک بلوخ: ص - ۲۱ - ۳۲۰

- ۲۰ - ول ڈیورانٹ: ص - ۵۷۲

- ۲۱ - ایضاً. ص ۷۵، مارک بلوخ: ص - ۲۹۶

Georges Duby (Editor): A History of Private Life. Vol.II - ۲۲

P.56,68.

- ۲۳ - ول ڈیورانٹ: ص - ۵۶۲ - بلوخ: ص - ۳۰۷

- ۲۴ - مارک بلوخ: ص - ۳۰۸

- ۲۵ - ول ڈیورانٹ: ص - ۵۶۳

ہرنس سکھیا: Perspective of Medieval History. Vikas Delhi - ۲۶

1993-PP.104,107-8.

فیوڈل ازم کا زوال

تاریخی عمل ایک جگہ ٹھرا ہوا نہیں رہتا، زندگی بدلتی رہتی ہے۔ زمانے کے تقاضے جدتوں کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ادارے اور روایات ان بدلتے ہوئے حالات میں خود کو ڈھالتے رہتے ہیں۔ مگر ایک مرحلہ آتا ہے جب ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ فیوڈل ازم کے ادارہ نے یورپ میں اٹھارویں صدی تک خود کو قائم رکھا، مگر جب صنعتی و میکنالوجیکل ایجادات نے تبدیلیاں شروع کیں تو اس ادارے کے استحکام میں درازیں پڑھنی شروع ہو گئیں۔

اب شروں میں پیشہ وروں کی انجمنیں ہوا کرتی تھیں مگر ان کے پاس زائد سرمایہ کی کمی تھی اس لئے وہ بڑی صنعتیں نہیں لگاسکتے تھے۔ ان کا انحصار کارگروں کی پیداوار پر تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ ہول سیل تاجروں کا ایک طبقہ ابھرنا شروع ہوا کہ جو کارگروں کے سامان کو فروخت کرتا تھا مگر اس کا پیداوار سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ابتداء میں کارگیر اور تاجر دونوں گلذ یا انجمن کے ممبر ہوا کرتے تھے، بعد میں انہیں کارگروں نے کہ جو خوش حال تھے پیداوار سے اپنا تعلق ختم کر کے ہول سیل کا کاروبار شروع کر دیا۔ تاجروں کے لئے شروں کی بڑی اہمیت تھی کیونکہ یہی ان کی سرگرمیوں کے مرکز تھے، اس لئے انہوں نے اس کے لظم و نقش کو سنبھالا۔ ان کی ان کوششوں میں بادشاہ یا حکمران نے بھی ان کا ساتھ دیا کیونکہ وہ ان کے ذریعہ سے فیوڈلز کا اثر کم کرنا چاہتے تھے یہی وجہ تھی کہ فرانس میں تاجروں کے اثر کی وجہ سے بادشاہ کے انتخاب سے فیوڈلز کو خارج کر دیا گیا۔ ۱۲۵۰ء میں یہ تبدیلی آئی کہ رعیت کی جانب سے وفاداری کا عمد اب فیوڈلز کے بجائے بادشاہ سے ہونے لگا، اور بڑے

بڑے فیوڈل لارڈ بادشاہ کے درباری ہو گئے۔ لندن اشائی سرپرستی، نئے سمندری راستوں کی دریافت، امریکہ کی سر زمین، ایشیا و افریقہ کی نو آبادیات کا تجارتی روابطہ، سرمایہ کی آمد اور منافع کے نتیجہ میں نئی ایجادات کی سرپرستی۔ ان سب عوامل نے یورپ میں بورژواطیہ پیدا کیا۔ اس طبقہ کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سیاسی اقتدار اور اختیارات کی ضرورت تھی، اس لئے انہوں نے فیوڈل نظام کو چیلنج کیا۔

یورپ میں فیوڈل ازم کا زوال تین طریقوں سے عمل میں آیا، ایک نیچے سے آنے والی معاشی تبدیلیاں اور ان کے نتیجہ میں اصلاحات، دوسرے انقلابی اقدامات، اور تیسرا حکمران طبقے کی جانب سے اوپر سے اصلاحات کے ذریعہ نظام کو بدلا گیا۔

معاشرے میں تبدیلی کے دو اہم ذریعے ہوتے ہیں: ایک تو اصلاحات کے ذریعہ معاشرے کے نظام اور ڈھانچہ کو بدلا جاتا ہے۔ اگر قدیم ادارے ان اصلاحات کے لئے تیار نہ ہوں تو تشدد اور انقلاب کے ذریعہ ان کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ اصلاحات کے ذریعہ ترقی ارتقائی طور پر ہوتی ہے مگر انقلاب تبدیلیوں کو تیزی کے ساتھ لاتا ہے اور قدیم اداروں کو اکھیز پھینکتا ہے۔

ان عوامل کی وجہ سے یہ بحث رہی ہے کہ کیا اصلاحات کا ذریعہ انقلاب سے بہتر ہے؟ کیا اصلاحات کے ذریعہ معاشرہ بغیر کسی انتشار اور برائی کے تبدیل ہوتا رہتا ہے اور ماضی سے اپنا رشتہ اچانک نہیں توڑتا ہے؟ کیونکہ انقلاب بڑی بے دردی سے ماضی اور حال کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے، اگر فوری طور پر نعم البدل ادارے اور روایات قائم نہ ہوں تو معاشرہ افراتفری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن انقلاب اس صورت میں آخری راستہ رہ جاتا ہے کہ جب اصلاحات کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔

یورپ میں فیوڈل ازم کے زوال کو ہم انگلستان، فرانس، اور پروسیا کے ناظر میں دیکھیں گے کیونکہ ان ملکوں میں اس زوال کے راستے اور حالات جدا تھے۔

انگلستان

انگلستان میں فیوڈل ازم کی جزیں بڑی گھری تھیں۔ ان میں اور بادشاہ میں سیاسی

اختیارات پر ہمیشہ سے تازعہ رہا۔ بادشاہ کی یہ کوشش رہی کہ وہ فیوڈلز کے اثر کو کم کر کے مطلق العنوان حیثیت اختیار کرے۔ جب کہ فیوڈلز اپنی خود مختاری برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ ۱۶۲۵ء میں انگلستان کے بادشاہ جان اور فیوڈلز کے درمیان مبینا کارٹا (بردا چارٹر) عمل میں آیا کہ جس میں بادشاہ اور فیوڈلز کے اختیارات کا تعین ہوا۔ مگر جب اسٹوراٹ خاندان کے دور میں چارلس اول اور پارلیمنٹ کے درمیان خانہ جنگی ہوئی (۱۶۴۹ - ۱۶۴۲) تو اس نے بادشاہ کی طاقت کو کمزور کر دیا اور فیوڈلز کا پارلیمنٹ میں اثر بڑھ گیا۔ اس کے بعد سے یہ سوال اہم رہا کہ حکومت کرنے کا اختیار کس کو ہے، بادشاہ کو یا پارلیمنٹ کو؟

۱۶۸۸ء کے انقلاب اور ۱۶۸۹ء کے بل آف رائٹس Bill of rights نے بادشاہ کے اختیارات کو اور محدود کر دیا۔ اگرچہ اس سے فیوڈلز کی حیثیت مضبوط ہوئی، مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے طبقوں کو اس سے یہ سبق ملا کہ وہ بھی اپنی طاقت و اثر سے اپنے لئے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔

ستہویں صدی میں انگلستان میں دو اہم تبدیلیاں آئیں۔ ایک تو زراعتی انقلاب تھا کہ جس نے فیوڈلز کے طبقے کو مزید دولت اور سیاسی اختیارات دیئے۔ دوسرے اس کے نتیجہ میں صنعتی انقلاب آیا کہ جس نے اس نظام پر کاری ضرب لگائی۔

انگلستان کے فیوڈل نظام کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس میں زمین کو پوری طرح سے استعمال نہیں کیا جاتا تھا، ایک فیوڈل لارڈ کے پاس بعض اوقات زمین ایک جگہ نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف جگہوں پر بکھری ہوئی تھی۔ اس لئے ان تمام بکھرے ہوئے ملکڑوں پر کاشت پر کم توجہ دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ کسانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ زمین کو کچھ فصلوں کے بعد بغیر کاشت کے چھوڑ دیا جاتا تھا اسکے وہ زرخیز ہو سکے۔ چونکہ فیوڈل تمام زمین پر کاشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے یہ زمین اجارہ پر کسانوں کو دے دی جن سے یومن (Yeoman) کا طبقہ ابھرا۔ چونکہ یہ طبقہ زمیندار نہیں تھا اس لئے زمین پر خود کاشت کرتا اور اپنی آمدنی میں اضافہ کرتا تھا۔ یومن کا یہ طبقہ انگلستان کی تاریخ میں آزاد اور مم جو کی حیثیت سے ابھرا۔

ستہویں صدی میں اس بات کی تحقیق شروع ہوئی کہ زراعت کو کیسے بہتر بنایا

جائے؟ چنانچہ اس تحقیق کے نتیجہ میں روبرٹ ویسٹرن نے ۱۸۲۵ء میں یہ نتیجہ نکالا کہ اگر ایسی فصلیں کاشت کی جائیں کہ جو جڑوں والی ہوں جیسے شاخج وغیرہ تو اس سے زمین کی زرخیزی ختم نہیں ہو گی۔ ایک اور طریقہ جس کی سفارش کی گئی تھی وہ یہ تھا کہ کچھ فصلوں کو باری باری سے بویا جائے، اس کی وجہ سے زمین کو بغیر کاشت کے چھوڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

آرتھر بینک نے انگلستان کے طریقہ زراعت میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ جب تک زمین کو باڑھ لگا کر بڑے بڑے پلاٹوں میں محفوظ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک وہ زیادہ پیداوار نہیں دے سکیں گے۔ کھیتوں کو باڑھ لگا کر یا احاطوں کے ذریعہ محفوظ کرنے کے لئے ۱۷۶۰ سے ۱۸۰۰ تک ایک ہزار ایک سو قوانین پاس ہوئے۔ اس طرح تیس لاکھ ایکڑ زمین کو باڑھ لگا کے محفوظ کر لیا گیا۔ چونکہ یہ طریقہ فیوڈلز کے مفاد میں تھا اور پارلیمنٹ میں ان کی اکثریت تھی، اس لئے یہ قوانین آسانی سے پاس ہو گئے۔

کھیتوں کو باڑھ کے ذریعہ محفوظ کرنے کی وجہ سے زمینوں پر فیوڈلز کا اور زیادہ قبضہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے گاؤں کی کھلی اور بیکار زمین ختم ہو گئی۔ اس کا اثر کسانوں پر زبردست پڑا، چھوٹے کسان ختم ہو گئے اور ان کی حیثیت کھیت مزدور کی ہو گئی۔ فیوڈلز کا زمینوں پر قبضے کی وجہ سے یو میں کا طبقہ ختم ہو گیا، ان کے خاتمہ سے دیہات میں جو ایک آزاد اور مسم جو طبقہ تھا وہ کسانوں کے جم غیر میں مل گیا۔ سیاسی طور پر فیوڈلز کا اثر پہلے کے مقابلہ میں اور بڑھ گیا۔ احاطہ بندی نے اناج کی پیداوار میں اضافہ کیا۔ مگر اس اضافہ شدہ آمدن کا فائدہ فیوڈلز کو ہوا۔ اس کے پاس دولت جمع ہو رہی تھی مگر کسان اس حساب سے غریب سے غریب تر ہو رہا تھا۔

اس زرعی انقلاب نے کاشتکاری کے پرانے طریقوں کو بدل دیا۔ زمین کی اہمیت پہلے کے مقابلہ میں اور زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ پارلیمنٹ کا ممبر بننے کے لئے زمین کی ملکیت کا ہونا ضروری تھا۔ جیسے آف پیس کے عمدے کے لئے بھی سوپونڈ مالیت کی زمین ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے جن کے پاس دولت تھی انہوں نبہ سماجی اور سیاسی طاقت کے لئے زمین خریدنی شروع کر دی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر نے بھی زمین خریدی تاکہ وہ سیاست میں

جائے۔ چھوٹے زمیندار جن سے یہ زمین خریدی جاتی تھیں، اس عمل سے ان کے دلوں میں غم و غصہ پیدا ہوا۔ (۱) اب کسانوں کے لئے دیہات میں کوئی کھلی جگہ نہیں رہی تھی کہ جہاں وہ اپنے مویشیوں کو چراکیں یا بیکار زمین کو اپنے استعمال میں لا سکیں۔ اس لئے کسانوں کی بڑی تعداد بیروز گار ہو گئی۔

اس تبدیلی کے نتیجہ میں جب فیوڈلز کے پاس دولت آئی تو انہوں نے دیہات میں شاندار محلات تعمیر کرانا شروع کر دئے۔ دولت کے ساتھ ساتھ ان کا ذوق جملیات بھی ابھرنا، اب ان کا فرنچ پر فرانس سے آنے لگا۔ اطالوی، فرانسیسی اور لاطینی مصنفوں کی کتابیں خرید کر ذاتی کتب خانوں میں جمع کیں۔ اپنی حویلیوں کی خوبصورتی کے لئے نوادرات کو جمع کیا جانے لگا۔ وہ آرٹ اور علم و ادب کے سرپرست بن گئے۔ اپنے دیہاتوں سے نکل کر شروع میں جانے لگے۔ بلکہ اس سے بھی آگے یہ ہوا کہ یورپ کی سیرو سیاحت کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۷۸۵ء میں گبن نے چالیس ہزار امراء کو یورپ میں دیکھا تھا۔ اپنے دیہاتی گھروں میں دعوییں شروع کیں کہ جن میں شر سے لوگ آنے لگے۔ اس نے دیہات اور شر کے لکھر کو قریب کیا، ان کے علم و ادب سے دلچسپی کا پتہ ان کی تقریروں اور خط و کتابت میں استعمال ہونے والے اقتباسات سے چلتا ہے کہ جن میں یہ ہومر، در جل، ہورلیس اور ملٹن کے اشعار پڑھتے اور لکھتے تھے۔ یہ ان کا اثر تھا کہ شیکسپیر دنیا کا بڑا شاعر بن گیا۔

ان ثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ان کے شغلوں میں شکار کھینا، ریس، اور جواشامل تھے۔ ایک کسان کے لئے شکار پر پابندی تھی، اس مقصد کے لئے شکار کے قوانین بننے ہوئے تھے جن کے تحت اس کی خلاف ورزی پر جلاوطنی اور دوسری سخت سزا میں تھیں۔ (۲)

ابتداء میں فیوڈلز کے ہاں تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ اگر ان کے بچے پڑھتے تھے تو دوسرے عام بچوں کے ساتھ، مگر اب ان کے بچوں کے لئے اسکول کے بجائے گھر پر یویشن کے ذریعہ پڑھانے کا رواج ہوا۔ بعد میں ان کے لئے علیحدہ سے اسکول اور یونیورسٹیاں بن گئیں۔ پارلیمینٹ میں جانے کے لئے یہ کسی کالج میں دوسال کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

چونکہ قانون کے مطابق جائیداد کا وارث بڑا لڑکا ہوتا تھا، اس لئے چھوٹے لڑکوں کے لئے فوج، سیاست، اور ڈپلومیسی کے محکمے تھے۔ ان میں سے کچھ صنعت و حرفت اور تجارت میں بھی جانے لگے۔

دولت کی اس بہتات کا اثر ان کی طرز زندگی پر بھی پڑا۔ دوستوں کو تخفے تحائف دینے، لڑکیوں کو قیمتی جیزیرے دینے کا رواج شروع ہو گیا۔ ان کے اس روایہ کی وجہ سے تاجر طبقے نے منافع کمانا شروع کر دیا۔ اس نے فیوڈلز کی ضروریات پوری کر کے جو دولت کمالی، اسی بنیاد پر اس نے بالآخر فیوڈلز کے طبقے کو شکست دی۔

زراعی انقلاب کے منفی اثرات کسانوں پر پڑے۔ پرانے نظام میں بیروز گاری نہیں تھی پورا خاندان کھیت میں کام کرتا تھا، لیکن اس نئے نظام میں مشین نے بہت سے کاموں کی گلے لے لی جس کی وجہ سے کسانوں کی بڑی تعداد بیروز گار ہونا شروع ہو گئی، اور انسوں نے ملازمت کے لئے شروع کا رخ اختیار کرنا شروع کیا جہاں صنعتی ترقی کی وجہ سے نئی نئی فیکٹریاں کھل رہی تھیں۔ چونکہ صنعت کا رکم تاخواہ پر مزدوروں کی ضرورت تھی اس لئے اس نے کسانوں کی شروعوں میں آمد کو خوش آمدید کیا۔ آبادی کی اس منتقلی کی وجہ سے دیہات کی اہمیت کم ہونا اور شروع کا عروج ہونا شروع ہو گیا۔

صنعتی ترقی میں صرف بورڑوا طبقے ہی نے حصہ نہیں لیا بلکہ فیوڈل لارڈز نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔ جن کی زمینوں پر کامیں تھیں انسوں نے لو ہے اور کوئلے کی وجہ سے منافع کمایا۔ لیکن کھشائل کی صنعت میں نیا ابھرتا ہوا متوسط طبقہ تھا۔ ان دونوں طبقوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سیاسی اقتدار میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کی اسی کے نتیجہ میں پارلیمانی اصلاحات کی تحریکیں چلیں جس کی ابتداء ۱۸۳۲ء میں ہوئی۔ ان اصلاحات کے نتیجہ میں زمین اور دولت دونوں کی مساوی حیثیت ہو گئی۔

ان تبدیلیوں نے انگلستان کے فیوڈل نظام کو مرحلہ وار ختم کیا۔ اس ماحول میں فیوڈلز کو بھی یہ احساس ہوتا رہا کہ انہیں اپنی بقا کے لئے بورڑوا طبقہ کو مراعات دینی ہوں گی۔ اس لئے وہ آہستہ آہستہ اپنے نظام کی مراعات سے دستبردار ہوتے رہے اور خود کو تبدیل شدہ حالات میں ایڈ جسٹ کرتے رہے۔ ان کے اس عمل سے انقلاب کی راہیں رک گئیں۔

خود بورژوا بھی انقلاب کے حامی نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی اصلاحات کے ذریعہ تبدیلی کو ترجیح دی۔

فرانس

فرانس میں انگلستان کے بر عکس فیوڈل ازم کا خاتمہ مرحلہ وار اصلاحات کے ذریعہ نہیں ہوا بلکہ انقلاب کے ذریعہ ہوا۔ اس کی ایک وجہ ان دونوں کے فیوڈل ڈھانچہ کا فرق تھا۔ انگلستان میں فیوڈلز سیاست اور انتظامیہ میں حصہ لیتے تھے، جب کہ فرانس میں انتظامیہ کو ریاست کے عمدوں داروں پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بورژوا طبقہ میں نہ تو شادی کرتے تھے اور نہ اپنے چھوٹے لڑکوں کو تجارت میں آنے دیتے تھے۔ انگلستان کا فیوڈل دیہات میں رہتا تھا اور اپنی جائداد کے معاملات سے باخبر ہوتا تھا۔ فرانس میں فیوڈلز شروع میں رہتے تھے، اس لئے یہ جائداد کے بارے میں کم ہی جانتے تھے؛ اس فرق کی وجہ سے انگلستان کے فیوڈلز کا وزن فرانسیسی لارڈ کے مقابلہ میں زیادہ وسیع تھا۔ وہ پارلیمنٹ کی سرگرمیوں میں پورا پورا شریک ہوتا تھا اور سیاست کے ذریعہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتا تھا، اس نے زراعتی اصلاحات کو بھی فروغ دیا، نئی فصلیں روشناس کرائیں، مویشیوں کی نسل بڑھائی، کھیتوں کو محفوظ کیا اور کسانوں سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔ (۳)

فرانس کا فیوڈل ز اپنے طبقاتی غور میں سب سے الگ تھا۔ وہ دوسرے طبقوں سے کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں رکھتا تھا، اس لئے اسے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟ اور ان کی خواہشات کیا ہیں؟

فرانس میں فیوڈلز دو طبقوں میں تقسیم تھے ایک "امراء شمشیر" جو ابتدائی جرمن فاتحین کی نسل سے اپنا تعلق جوڑتے تھے کہ جنہوں نے اپنی بہادری اور شجاعت سے زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ دوسرے طبقہ میں "امراء جبه و قہ" آتے تھے کہ جنہیں یہ امتیاز اپنے عمدوں کی وجہ سے ملا تھا۔ اس لئے یہ "امراء شمشیر" سے رتبہ میں کم تھے۔

فرانس میں بڑے فیوڈل لارڈز دربار میں رہتے تھے، یہ لوئی چمار دہم کی پالیسی کے تحت ہوا تھا۔ کیونکہ طاقت ور فیوڈلز ہمیشہ بادشاہ کے اختیارات اور اس کے اقتدار کو چیلنج

کرتے تھے اور جب موقع ملتا تھا تو بادشاہ کے خلاف بغاوتیں کرتے رہتے تھے، اس لئے ان کی سازش اور طاقت کو توڑنے کے لئے اس نے انہیں "ورسائی" میں بلا کر وہاں دربار میں رہنے پر مجبور کیا۔ اس کے دو فائدے ہوئے: ایک تو اب یہ بادشاہ کی نظروں کے سامنے رہنے لگے، دوسرے وہاں رہنے کی وجہ سے ان کے اخراجات اس قدر بڑھ گئے کہ وہ ان کی آمدنی سے پورے نہیں ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ان کی مالی حالت ہمیشہ خراب رہتی تھی اور یہ قرضوں میں جکڑے رہتے تھے۔

دربار میں رہنے کی وجہ سے ان کی آزادی اور خود مختاری ختم ہو گئی اور درباری ماحول نے ان میں خوشامد اور چاپلوسی کو پیدا کر دیا۔ اپنی جائیدادوں سے دور رہنے کی وجہ سے ان کا رشتہ زمین اور کسانوں، دونوں سے ٹوٹ گیا۔ وہ دیہات کی زندگی کے بجائے شر کی پرتعیش زندگی کا شکار ہو گئے۔

یہی وجہ تھی کہ ان میں سے اکثر کو اپنی جائیداد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان فیوڈز کے لئے یہ بے عزتی کی بات تھی کہ اگر کوئی ان سے زراعت، کاشتکاری، اور فصلوں کے بارے میں گفتگو کرے، کیونکہ یہ طبقہ جس شفاقتی ماحول میں رہ رہا تھا وہاں یہ اس کا کام نہیں تھا بلکہ اس کے ملازمین کا تھا۔ ایک بار لوئی XVI نے مو سیو دلوں (Dill on) سے پوچھ لیا کہ سناء ہے کہ تم بہت قرضدار ہو۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ اس بارے میں وہ اپے عملہ کے لوگوں سے معلوم کر کے بتائے گا۔

اخراجات کی اس زیادتی کی وجہ سے سب ہی قرضوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ زندگی میں شان و شوکت دکھانا، اور بے جا اخراجات کرنا امراء کی عادت بن گئی تھی۔ ڈیوک لازوں (Lauzon) نے چھبیس سال کی عمر میں ایک لاکھ سالانہ فرانک کی آمدنی ختم کر دی اور بیس لاکھ کا قرضدار ہو گیا۔ ایک اور دوسرا امیر پرس کو نتی تھا کہ جس کی چھ لاکھ کی آمدنی تھی، مگر ہمیشہ قرضدار رہا کرتا تھا۔ کوئے کلرموں دو بار دیوالیہ ہوا۔ ڈیوک شوائے سو کی چودہ ملین کی جائیداد تھی مگر یہ بھی دس ملین کا قرضدار تھا۔ ڈیوک اور لین ۳۷ ملین کے قرضے میں پھنسا ہوا تھا (۲)

اس ماحول میں فرانس میں قرضدار ہونا ہر فیوڈ لارڈ کے لئے باعث فخر تھا۔ کیونکہ

قرضہ کی رقم سے اس کے اخراجات کا اندازہ لگایا جاتا تھا اور جو جس قدر قرضدار ہوتا، اس سے یہ مطلب نکلتا تھا کہ وہ خوب خرچ کرتا ہے جو کہ ایک امیر کے لئے خوبی کا وصف تھا۔

جب بڑے بڑے فیوڈلز نے اپنی زمینوں میں دلچسپی نہیں لی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وسیع اراضی میں بہت ساری زمین ب بغیر کاشت کے چھوڑ دی گئی۔ وہ چھوٹے فیوڈلز جو دیساں میں رہتے تھے ان کی بھی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح سے وہ بھی دربار سے وابستہ ہو جائیں۔ اس لئے وہ بھی اپنی زمینوں کی کاشت پر پوری توجہ نہیں دیتے تھے۔ نتیجتاً یہ امراء و فقہاء فوقتاً دیوالیہ ہوتے رہتے تھے اور بادشاہ سے درخواست کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کرے۔ ان کی یہ مالی مدد قوی خزانے سے کی جاتی تھی (۵) اس کی وجہ سے وہ پیسہ کہ جو ریاست اور عوام پر خرچ ہو۔ امراء کی جیبوں میں چلا جاتا تھا۔

ورسائی میں ان امراء کی زندگی عیاشی میں گزرتی تھی۔ روز کی دعویں، محفلیں، کھیل، تفریحات اور دربار کی سازشیں ان کی زندگی میں روزمرہ کے معمولات تھے۔ چونکہ ورسائی شاہی شر تھا۔ اس لئے یہ پورے ملک سے کثا ہوا تھا جماں جزیرہ کی مانند بند ماحول میں یہ لوگ اپنی ہی دنیا میں مگن تھے۔ انہیں احساس نہ تھا کہ ملک کبھی حالات سے گزر رہا ہے اور لوگ کن مصائب و مشکلات کا شکار ہیں۔ انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے ۱۷۵۲ء میں ایک فیوڈل لارڈ نے یہ لکھا تھا کہ:

بڑے امراء کی نسل کو ختم ہو جانا چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں جائیداد، عمدہ، اختیارات، اور شان و شوکت ب بغیر کسی محنت کے مل گئی ہے۔ ب بغیر کسی جدوجہد کے یہ لوگ عظیم بن گئے ہیں۔ یہ لوگ نااہل اور بے وقت ہیں۔ میرا ان لوگوں کے بارے میں یہ خیال ہے کہ کتوں کی اعلیٰ نسل کی اس وقت تک حفاظت کرنی چاہئے کہ جب تک ان میں ملاوٹ نہ آئے۔ اس کے بعد انہیں ختم کر دینا چاہئے۔ (۶)

امراء کی اس پرتعیش زندگی کے مقابلہ میں کسانوں اور کاشتکاروں کی زندگی پس ماندگی اور عبرت کا نمونہ تھی ان کسانوں میں حقوق ملکیت والے تھے کہ جن کا گزارا کم زمین کی آمدن سے پورا نہیں ہوتا تھا۔ کھیت مزدور تھے کہ جو اپنی گذر اوقات کے لئے فیوڈلز

کے محتاج تھے۔ کسانوں کے لئے اب کھلے میدان اور خالی جگہیں نہیں رہی تھیں۔ جنگل ان کے لئے بند کر دئے گئے تھے کیونکہ شکار کا حق صرف فیوڈلز کو تھا۔

فیوڈلز نیکس سے بری تھا کیونکہ وہ نیکس دینا اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔ لہذا تمام نیکس کسانوں کو ادا کرنے ہوتے تھے۔ ان نیکس کو دینے کے بعد اس کے پاس صرف ۲۰ فیصد آمدن پہنچتی تھی۔ اس کے علاوہ اس سے بیگار کے طور پر سڑکیں اور پل بنوائے جاتے تھے (۷)

افراط زر اور منگالی کی وجہ سے نیکس بڑھادیئے جاتے تھے۔ پرانے نیکس جو ختم ہو گئے تھے انہیں دوبارہ سے لگا دیا جاتا تھا۔ ان حالات میں لوگوں میں فیوڈل نظام کے خلاف جذبات ابھر رہے تھے۔ اس کا اظہار اس عمد میں چھپنے والی ایک کتاب سے ہوتا ہے جس کا مصنف بو میری (Bomcery) تھا، اور کتاب کا عنوان تھا ”فیوڈل حقوق کی خرابیاں“ اس میں ان ناالنصافیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو کہ اس نظام میں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ فیوڈلز نے اس کتاب کی سخت مخالفت کی (۸)

۱۷۸۹ء میں فرانسیسی انقلاب کا مرکز پیرس تھا جہاں ۱۳ جولائی کو لوگوں نے مظاہرہ کیا اور قلعہ بیتل کو مسماڑ کر کے شرپر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ انہیں خبروں سے متاثر ہو کر دیہات میں کسانوں نے فیوڈلز کے خلاف بغاوت کر دی، یہ بغاوت مسلح تھی۔ انہوں نے ان کی رہائش گاہوں پر جوشاتو کھلاتی تھیں حملے کئے اور ان تمام دستاویزات کو آگ لگادی کہ جوان کے خلاف تھیں اور جن پر ان کے قرضے لکھے ہوئے تھے۔ ان ہنگاموں میں کچھ فیوڈلز قتل بھی ہوئے۔ اس بغاوت کے نتیجہ میں دیہاتوں سے فیوڈل ازم کے نشانات کو مٹانے کی مہم شروع ہوئی۔ ان حالات میں نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوا، جس میں ۲ اگست ۱۷۸۹ء کو اسمبلی نے فیوڈل ازم کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ تمام فیوڈل نیکس، قرضے، بیگار، اور ذاتی خدمت کے حقوق ختم کر دیئے (۹) نیشنل اسمبلی کے یہ اقدامات قانونی تھے ورنہ عملی طور پر تو خود کسان ان ناالنصافیوں کو ختم کر چکے تھے۔

بسا حال اس عمل کے نتیجہ میں فرانس کی بڑی بڑی جاگیریں ختم ہو گئیں۔ امراء اور چرچ کی زمینوں کو ضبط کر کے انہیں فروخت کر دیا گیا جنہیں صنعت کاروں اور کسانوں نے

خریدا۔ اس طرح سے فرانس میں فیوڈل کا اقتدار ختم ہو گیا۔ زمین چھوٹے چھوٹے نکلوں میں تقسیم ہونے کے بعد طاقت کا ذریعہ نہیں رہی۔ (۱۰)

نیپولین جب اقتدار میں آیا ہے تو اس وقت تک زمین کا بڑا حصہ ریاست کے پاس تھا۔ لہذا اس نے بادشاہ بننے کے بعد زمین کو اپنے حامیوں میں تقسیم کر کے امراء کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا۔ اگرچہ نئے امراء کے اس طبقہ کا تعلق متوسط درجہ سے تھا، مگر انہوں نے بھی قدیم روایت اختیار کرتے ہوئے اپنی زبینیں ٹھیکہ پر دے دیں اور خود دربار میں رہے۔ کسانوں کو یہ سوت تھی کہ اب انہیں پہلے کی طرح فیوڈل کے نیکس نہیں دینے پڑتے تھے۔

جب فرانس میں ۱۸۴۵ء میں دوبارہ سے بادشاہت آئی تو اس وقت کافی جائدادیں ان کے پرانے مالکوں کے حوالے کی گئیں۔ مگر ریاست کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ تمام جاگیروں کو واپس کرے۔ کیونکہ جو لوگ انقلاب اور نیپولین کے زمانہ میں ان کے مالک بن گئے تھے ان سے واپس لینا ناممکن تھا۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۲۰ء تک آدھے امراء کو واپس ان کی جاگیریں مل گئی تھیں اور اس وجہ سے فرانس میں بادشاہت نے قدامت پسند نظریات کو اختیار کیا تھا۔ مگر اس تمام عمل میں فیوڈل کا طبقہ اپنی طاقت کھو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے زمین سے زیادہ عمدوں کے حصول کی کوشش کی۔ کچھ امراء نے بدلتے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنی دوست صنعت میں لگائی اور اس طرح سے انہوں نے ابھرتے ہوئے بورڑوا طبقہ کا ساتھ دیا۔

فرانس کا فیوڈل نظام انقلاب کے بعد سے دوبارہ اپنی حیثیت بحال نہ کر سکا اور صنعتی ترقی و سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ زوال پذیر ہو گیا۔

پروشیا (جرمنی)

انگلستان اور فرانس کے برعکس فیوڈل ازم کے زوال کا تیراماڈل پروشیا ہے جو کہ متحده جرمنی سے پہلے اس کی سب سے اہم ریاست تھی۔ نیپولین نے جب جرمنوں کو شکست دی اور انہیں سیاسی طور پر ذلت کا سامنا کرنا پڑا تو ان میں قومی شعور کی ایک

زبردست لہر پیدا ہوئی۔ یہ احساس بیدار ہوا کہ جرمنی کو شکست کیوں ہوئی؟ اور کیوں کر اس شکست سے سبق یکھنا چاہئے؟ جب انہوں نے حالات کا تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچ کہ جرمن قوم کی شکست کی وجہ نااتفاقی، ریاستوں کی باہمی چیفپلش، اور ان کا فیوڈل نظام ہے۔ اس وقت جرمنی کا فیوڈل نظام بڑا مستحکم تھا۔ ذرائع پیداوار پر انہیں کا قبضہ تھا۔ فوج و انتظامیہ تمام بڑے بڑے عہدے ان کے پاس تھے۔ اس لئے جب ۱۸۰۶ء کی شکست کے بعد فوج کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ۱۳۲ جزل ۶۰ سال کے تھے۔ ۱۳ کی عمر میں زیادہ تھی اور ۸۰، ۸۰ سال کے تھے۔ (۱۱)

فیوڈل خاندانوں کو ملنے والی مراعات موروثی تھیں۔ لہذا انہیں زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے جدوجہد نہیں کرنی پڑتی تھی اور یہ انہیں خود بخود مل جاتی تھیں۔ اس لئے گوئے کا ایک کردار کہتا ہے کہ ”یونیورسل اور ذاتی خوبیاں سوائے امراء کے کسی اور طبقے میں نہیں ہیں۔“ (۱۲) لیکن اس صورت حال کے خلاف لوگوں کے جذبات ابھر رہے تھے ۱۷۷۸ء میں ایک اخبار نے لکھا کہ ”ایک مہذب قوم میں شری کا ذاتی مرتبہ اس کی ذاتی خوبیوں سے معین ہونا چاہئے موروثی طور پر نہیں۔“ معاشرے میں کسی بھی حیثیت کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی چاہئے یہ نہیں کہ یہ حادثاتی طور پر مل جائے۔ (۱۳)

جرمنی میں بھی فیوڈل لارڈز دوسری یورپی ریاستوں کی طرح مراعات کے حق دار تھے ان پر عام عدالتوں میں مقدمہ نہیں چل سکتا تھا اس کے لئے ان کی اپنی عدالتیں تھیں۔ ریاست اور چرچ کے تمام بڑے عہدے ان کے پاس تھے اس وجہ سے یہ نہ صرف اپنے مفاہات کا خود تحفظ کر سکتے تھے بلکہ بادشاہ کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہوتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں ریاست اور منڈی کے عمل داخل کی وجہ سے فیوڈل ازم کمزور ہونا شروع ہوا۔ اصلاحات کے ذریعہ زمین کی حد بندی کی گئی تاکہ زرعی پیداوار کو بڑھایا جا سکے۔ پیداوار کی اس بہتری سے زمیندار اور کسان دونوں کو فائدہ ہوا۔ پروشیا نے جوزرعی اصلاحات کیس ان میں سے ایک یہ تھی کہ کسانوں کو نقد تخلوہ دی جائے۔ اس نے کسان کو آزاد کر دیا کہ اب جہاں وہ چاہے نقد تخلوہ پر کام کرنے۔

جب شری میں صنعت کا رطبه ابھرنا شروع ہوا اور ان کے پاس دولت آئی شروع

ہوئی تو انسوں نے اپنا سماجی رتبہ بڑھانے کی خاطر زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ اگرچہ دیوالیہ ہونے کی صورت میں فیوڈلز کو حکومت کی جانب سے مالی مدد بھی دی گئی اور قانون تحفظ بھی، مگر اس کے باوجود مالی حالات کے دباؤ ک تھت وہ اپنی زمینیں بیچنے پر مجبور ہو گئے (۱۲)۔

۱۸۰۰ء کے بعد سے ان کے امتیازات جیسے کہ تلوار رکھنا، خاص لباس پہنانا، اور تھیڑ میں ان کے لئے مخصوص نشتوں کا ہونا، یہ سب ختم ہو گئے۔ ۱۸۰۸ء میں فوج میں سے ان کا اثر ختم ہوا کیونکہ اب وہاں تقرری لیاقت پر ہونے لگی۔ یہی طریقہ یورووکری اور ڈپلومیسی میں بھی اختیار کیا گیا۔ (۱۵)

پروسیا کے ریاستی، انتظامی معاشی و سماجی ڈھانچہ میں تبدیلی کے ابتداء خود اس کی حکمران طبقوں نے کی۔ اس تبدیلی کی دو وجہات تھیں: ایک فرانس سے شکست کے بعد ان پر قدیم نظام کی کمزوریاں ظاہر ہو گئیں۔ دوسرے انگلستان میں جو صنعتی ترقی ہو رہی تھی، اس سے مقابلہ کرنے کا احساس۔ اس نے حکمران طبقہ نے ضروری سمجھا کہ قدیم نظام کو اصلاحات کے ذریعہ تبدیل کیا جائے۔ ایک نئے نظام کے لئے ضروری تھا اس میں عوام کی شرکت ہو، طبقاتی فرق کم ہو، لوگوں کو ذہانت و لیاقت پر آگے بڑھنے کے موقع ہوں، اور معاشی سرگرمیوں کی پوری پوری آزادی ہو، اس چیز کا اعلان ۱۸۱۰ء میں کیا گیا کہ اب حکومت کے تمام باشندے آزاد ہوں گے۔ کسانوں کو قرضوں اور موروثی غلامی سے نجات اور زمین پر ان کا حق ملکیت تسلیم کرنے کا اعلان ہوا۔

زمین کی اس آزادانہ خرید و فروخت کی وجہ سے مالدار تاجریوں نے زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ جب کسان آزاد ہوئے تو فیوڈل لارڈز بے سارا ہو گئے۔ قانونی تحفظ جو اب تک انہیں ملا ہوا تھا جب اسے لے لیا گیا تو ان کی سماجی و معاشی طاقت پر کاری ضرب گئی۔ اس مرحلہ پر انسوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنی زمینیں بیچنا شروع کر دیں (۱۶)۔ اگرچہ ان اصلاحات کی وجہ سے فیوڈلز نے بڑا احتجاج کیا اور ایک نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ: اگر رائل ہائی نس مجھے اور میرے بچوں کو جائداد اور خاندانی حقوق سے محروم کر دیں گے تو پھر آپ کے حقوق کن بنیادوں پر رہیں گے۔ (۱۷) لیکن پروسیا اور جرمنی میں

فیوڈل ازم اپنی افادیت ختم کر چکا تھا اور یہ ان کے قومی مفاد میں تھا کہ اس کا خاتمہ ہو، تاکہ وہ یورپ کی دوسری ریاستوں سے مقابلہ کر سکیں۔

دوسرے یورپی ملکوں میں بھی فیوڈل ازم کی جڑیں کمزور ہونا شروع ہوئیں۔ جب نیپولین نے بلجیم اور رائٹن لینڈ میں چرچ کی زمینوں پر قبضہ کیا تو یہاں اس نے فیوڈل نیکس اور قرضوں کو ختم کر دیا تھا اور زمینوں کو چھوٹے جاگیرداروں اور کسانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پولینڈ اور روس میں فیوڈلز کی طاقت ۱۸۱۵ء تک باقی رہی۔ اس کے بعد یہاں بھی کسانوں کو آزاد کرنا پڑا، مگر اسے زمین کی ملکیت کے حقوق نہیں دیئے، پولینڈ اور روس کے فیوڈلز میں انگلستان و پروسیا کے لارڈز جیسی صلاحیت نہ تھی اس لئے ان کے ہاں اصلاحات کے نتیجہ میں کسان غریب ہی رہے۔ اس فرق کو مغربی اور مشرقی یورپ کی اقتصادی ترقی کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے لیکن انہاروں میں صدی کے آخر تک فیوڈل ازم کا ادارہ یورپ میں اپنی ساکھ کھو چکا تھا۔ (۱۸)

حوالہ جات

- G.M. Trevelyan: English Social History, Longman -١
 London, 1962-P.307
 ایضاً: ص - ۱۵۱، ۲۲، ۲۳ - ٢
 ایضاً: ص - ۲۰ - ٣
- Solvemini: The French Revolution. London 1958, -٤
 PP.20-21
- ولڈیورانٹ: Rousseau and Revolution. New York, 1967. -٥
 P.928
 ایضاً: ص - ۹۳۰ - ٦
 ایضاً: ص - ۹۲۸ - ۲۹ - ٧
 ایضاً: ص ۹۲۹ - ٨
- ولڈیورانٹ: The Age of Nepolean. Newyork 1973, P.22 -٩
 ڈیویڈ نامن: Europe Since Nepolean, Penguin 1966 P.106 - ١٠
- J.J. Sheehan: Genman History (1770-1866), Oxford - ١١
 Elarendon 1989. P.295
 ایضاً: ص ۱۲۶ - ١٢
 ایضاً: ص ۱۲۶ - ١٣
 ایضاً: ص ۳۲ - ۳۲ - ١٤
 ایضاً: ص ۳۰۵ - ١۵
 ایضاً: ص ۳۰۱ - ۳۰۰ - ١٦
 ایضاً: ص ۳۰۳ - ١٧
 ڈیوڈ نامن: ص ۱۰۹ - ١٨

ہندوستانی نظام جاگیرداری

نیوڈل ازم کا ادارہ ہر ملک اور معاشرے میں وقت کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوا اور حالات کے تحت اس میں تبدیلی بھی آتی رہی۔ ہندوستان میں جاگیرداری کے نظام کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: قدیم ہندوستان، مسلمانوں کا دور حکومت، اور برطانوی اقتدار، ان تینوں زمانوں میں اس نظام کی شکل اور ہیئت مختلف رہی اور اس نے وقت کے تقاضوں کے ساتھ حکمران طبقات کے مفادات کو پورا کیا۔ ان صفحات میں انہیں تبدیلیوں کی وضاحت کی جائے گی اور نظام جاگیرداری کی بدلتی شکلوں کو دکھایا جائے گا۔

قدیم ہندوستان

قدیم ہندوستان کے ابتدائی دور میں معاشرہ کا انحصار مویشیوں پر تھا جس کی وجہ سے زمین کی اہمیت نہ تھی۔ چراگاہوں کی فروانی تھی اور معیشت کا انحصار مویشیوں کی تعداد پر ہوا کرتا تھا۔ چونکہ چراگاہوں کی تلاش میں قبلیے اور برادریاں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے تھے اس لئے زمین سے ان کو لگاؤ اور تعلق نہیں تھا۔ ان کی زندگی میں ٹھہراو نہیں بلکہ بے قراری تھی۔ خانہ بدوشی نے ان کی جڑوں کو زمین میں پوسٹ نہیں ہونے دیا تھا۔

۶ سے ۵ صدی قبل مسیح میں قدیم ہندوستان کا زراعتی نظام تبدیل ہونا شروع ہوا اور خانہ بدوشی کے بجائے قبائل نے آبادیاں بنائے اور زراعتی پیداوار کے عمل کو بڑھانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے زمین کی اہمیت ہو گئی۔ اب مویشیوں کے بجائے زمین کی قدر و قیمت ہو گئی۔

اس عہد میں گشتری ذات کے افراد نے زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ ذمینیں ابھی بھی کسی ایک فرد کی ملکیت نہ تھیں بلکہ یہ برادری کے استعمال کی ہوتی تھیں۔ اگر اس کا تبادلہ بھی کیا جاتا تو اس طرح کہ ایک برادری دوسری برادری کو دے دیتی تھی۔ جوز میں پر کاشت کرتا تھا، اس کا قبضہ زمین پر مستقل ہوتا تھا اور یہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہتی تھی۔ (۱)

جب بادشاہیں قائم ہونا شروع ہوئیں تو اس وقت انہوں نے زمینوں کو اپنے حمایتوں اور وفادار ساتھیوں میں بطور تنخواہ دینا شروع کر دیا۔ یہ حکومت کے بڑے عہدے داروں اور امراء کو دی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ پروہتوں اور مذہبی عالموں کو ان کی حیثیت کے مطابق جاگیریں دی جاتی تھیں مگر ان کے لئے یہ شرط تھی کہ یہ نہ تو رہن رکھیں گے اور نہ فروخت کریں گے۔ حکومت ان سے کوئی لگان نہیں لیتی تھی۔ (۲)

حکومت کی جانب سے جب کسی کو جاگیر دی جاتی تھی تو اس کا باقاعدہ فرمان جاری ہوتا تھا جس پر بادشاہ کی مر ہوتی تھی تاکہ اس کی قانونی حیثیت ہو جائے۔ جب حکومت کسی کو جاگیر دیتی تھی تو اس کے دو مقاصد ہوتے تھے: ایک تو یہ کہ وہ حکومت کے لئے جو خدمات سرانجام دیتا ہے اس کے معاوضہ کے طور پر اس کو زمین دی جائے تاکہ اس کی آمدنی کا وہ حق دار ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی خاندان کی مستقل آمدنی ہوگی تو اس سے اسے تحفظ کا احساس ہو گا اور وہ زیادہ دل جمعی سے حکومت کے کام کر سکے گا۔ مستقل آمدنی کی وجہ سے اس کی سماجی حیثیت ان دوسرے گروہوں سے بڑھ جاتی تھی کہ جو آمدن کے لحاظ سے عدم تحفظ کا شکار ہتے تھے۔ اس کے علاوہ زمین اور اس کی آمدن سے وابستہ ہو کر ایسے خاندانوں کا تعلق سیاسی طور پر اقتدار اور حکومتی طاقت سے ہو جاتا تھا اور یوں وہ حکمران اور اس کے مفادات کا سب سے بڑا محافظ بن جاتا تھا۔

ساتویں صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان میں سامتی نظام کا روایج ہوا۔ سامت، یا جاگیردار سالانہ خراج دیتا تھا۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت اس کی فوجی خدمات کے لئے تیار رہتا تھا۔ نویں صدی عیسوی سے بارہویں اور تیرھویں صدیوں میں ٹھاکر کی اصطلاح سردار، جنگلی سورما یا قبیلہ و برادری کے چیف کے معنوں میں

استعمال ہونے لگی تھی۔ چونکہ اب زمین کی اہمیت بڑھ گئی تھی، اس لئے زمین پر قبضہ کی خاطر جنگوں کی ابتداء ہو گئی تھی۔

ہندوستانی کا نظام جاگیرداری یورپ کے فیوڈل ازم سے مختلف تھا، یہاں پر جاگیردار یا زمیندار کے زمین پر مالکانہ حقوق نہیں ہوتے تھے، انہیں حکومت کی جانب سے ریونیو وصول کرنے کا حق تھا۔ خود حکمران بھی زمین کا مالک نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اس کا یہ حق ہوتا تھا کہ وہ زمین کے ریونیو کا ایک حصہ وصول کر سکے۔ ہندوستان میں زمین گاؤں کی برادری کی ملکیت ہوتی تھی۔ چونکہ حکمران زمین کا مالک نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ کسی عمدے دار کو اس کے مالکانہ حقوق بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ صرف جاگیردار کو ریونیو کی وصولی کا حق دیتا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ میں کسی عمدہ میں چاہے وہ ہندو ہو بڑھ ہو یا مسلمانوں کا عمدہ ہو، یہ کوشش نہیں کی گئی کہ زمین کو شاہی ملکیت میں لے لیا جائے یا مالکانہ حقوق دے کر ایک جاگیردار طبقہ پیدا کیا جائے۔ اس لئے ہندوستان میں سیاسی اقتدار کی جنگ اس بات پر ہوتی تھی کہ گاؤں کی زمین پر ریونیو حاصل کرنے کا حق کس کو ہے۔ لہذا اس جنگ میں کاشت کار کو زمین کاشت کرنے سے محروم نہیں کیا جاتا تھا۔

اس فرق کی وجہ سے ہندوستانی اور یورپی فیوڈل ازم دو مختلف شکلوں کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوئے۔ یورپی فیوڈل ازم میں زمین بھی ملکیت ہوتی تھی۔ اس لئے فیوڈل لارڈ کسانوں سے نہ صرف ریونیو وصول کرتا تھا بلکہ اس پر دوسرے نیکس بھی لگاتا تھا۔ اسے یہ حق بھی تھا کہ وہ ذریعہ کاشت کو بدلتا رہے، جیسے کھیتوں کو باڑھ لگا کر محفوظ کرنا، اور بڑے پیانے پر کاشت کرنا۔ ہندوستان میں چونکہ جاگیردار کاشت میں دلچسپی نہیں لیتا تھا اس لئے کسان اپنے روایتی طریقوں کو برقرار رکھتے تھے۔ اس کی دلچسپی صرف ریونیو کی وصولیابی سے تھی۔ اس وجہ سے جنگوں اور تصادموں میں ہندوستان کا کسان علیحدہ رہا۔

قرون وسطی کے نظام جاگیرداری کے بارے میں جو دستاویزات ملی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ کسانوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ گاؤں ہی میں رہیں اور وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوں۔ انہیں یہ بھی ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ جاگیردار کو لگان ادا کریں اور

اس کے احکامات کی تعمیل بھی کریں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کسانوں کو ان کے رہائشی علاقوں میں محدود کر دیا گیا جس کی وجہ سے ایک محدود اقتصادی نظام پیدا ہوا اور علاقائی تعصبات کو فروغ ملا۔ اس لئے جاگیردار بدلتے رہتے تھے مگر کسان اپنی جگہ مستقل رہتا تھا (۳) جاگیرداروں کے طبقے کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے انہیں خطابات و امتیازات سے نوازا جاتا تھا۔ دکن میں اسے جاگیر دیتے وقت اس کی پیشانی پر عزت و احترام کا تمغہ باندھا جاتا تھا۔ انہیں مورچھل، چھتری، گھوڑے و ہاتھی رکھنے کی اجازت تھی۔ سب سے زیادہ طاقت ور جاگیردار کو پانچ سازوں کے استعمال کا حق تھا۔ ان کے خطابات ٹھاکر، روات اور نائک تھے، جن سے ان کو پکارا جاتا تھا (۴)

جاگیروں کے حساب کتاب ہو رکھنے کے لئے محرروں اور کاتبوں کا ایک طبقہ وجود میں آیا جو بعد میں کاسیتھے کے نام سے مشہور ہوا۔ انہوں نے لکھنے پڑھنے پر جو برمنوں کی اجارہ داری تھی اسے ختم کر دیا (۵) اسی لئے برہمن کا یستھن کے طبقے کو برا بھلا کتے نظر آتے ہیں۔

اس نظام کے تحت شمالی ہند کے دیسی علاقوں میں گاؤں کا کھیا یا سرپنجوں کا ایک طبقہ ابھر اجوہ مہاترا کملاتا تھا۔ یہ زمین کے عطیات اور گاؤں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے۔ گاؤں کی زمین میں ان کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ (۶)

اس نظام جاگیرداری میں ذات پات اپنی جگہ برقرار نہیں رہی بلکہ اس میں تبدیلی آتی رہی۔ سماجی مرتبہ کے تعین کے ذات کے علاوہ زمین اور دولت بھی اہم عناصر تھے اسی وجہ سے شودر غلامی اور پنج ذات کے چکر سے نکل کر کسان بن گئے اور ان کا درجہ ولیش کے برابر ہو گیا۔ ہیوں سانگ اور الیرونی نے ولیش اور شودر کو کاشتکار کہا ہے جن کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں تھا (۷) اگرچہ چھٹی سے پانچویں صدی قبل مسح سے یہ فرق واضح ہو رہا تھا۔ زمین اور فوجی طاقت کی غیر یکساں تقسیم کے نتیجہ میں جاگیردارانہ مراتب وجود میں آگئے تھے۔ ان مراتب میں ذات کا سوال نہیں تھا۔

جب ہندوستان میں بادشاہی قائم ہوئیں تو اس وقت جاگیروں کو چار درجوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ ایک ریاست کی ضروریات پوری کرنے اور قربانی کی رسومات کی ادائیگی

کے اخراجات کے لئے، دوم، وزیروں اور عہدے دراؤں کی تنخواہوں کے عوض، سوم، باصلاحیت افراد کو بطور انعام، چارم، مذہبی خیرات اور برہمنوں گی مدد کے لئے۔ خاص طور سے برہمنوں کو زمینیں دینے کا رواج ہو گیا تھا۔ بادشاہوں کے علاوہ مالدار تاجر بھی زمین خرید کر انہیں بطور عطیہ دیتے تھے، مگر یہ اصول واضح تھا کہ ”زمین نہیں خریدی جاتی تھی بلکہ اس پر کاشت کرنے کا حق خریدا جاتا تھا“۔

ہندوستان میں ابتدائی زمانے میں نجی جائداد کا ادارہ اس لئے وجود میں نہیں آیا کیونکہ کاشت کی زمین پر فصل کاٹ کر باقی میں آگ لگادی جاتی تھی تاکہ زمین زرخیز ہو سکے۔ اس لئے کاشت کی زمین بدلتی رہتی تھی، مستقل نہ تھی۔ لہذا ایک ہی پلات پر کسی کا قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ غیر آباد زمین کافی تھی کہ جس کو قابل کاشت بنانے کا وہاں کاشت کی جاتی تھی مزید بر آں ان زمینوں پر کاشت کا حق فرد کو نہیں بلکہ پوری برادری کا ہوتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے جاگیردارانہ نظام کو یورپ سے مختلف کر دیا تھا۔

مسلمان حکمران اور نظام جاگیرداری

ہندوستان میں مسلمان فاتحین اپنے ساتھ مشرق و سطی کا نظام جاگیرداری لے کر آئے۔ اس لئے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ یہ نظام عربوں اور دوسرے مسلمان حکمران خاندانوں میں کس طرح سے قائم ہوا۔

عربوں کے لئے زمین کے مالکانہ حقوق کے بارے میں اس وقت سوال پیدا ہوا جب انہوں نے عراق کو فتح کیا۔ جب اس سلسلہ میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ سے رائے معلوم کی گئی تو آپ نے لوگوں کو مالکانہ حقوق دینے سے انکار کر دیا کہ اس سے کچھ خاندانوں کو فائدہ ہو گا اور آنے والی نسلوں کے اس روایت سے حقوق غصب ہوں گے۔ اس لئے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ زمین کو جاگیر میں دینے کے بجائے اس کی آمدی کو لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔

لیکن اقطاع یا زمین کے ملکوئے کہ جن پر کاشت نہیں ہوتی تھی مختلف افراد کو دیئے گئے کہ انہیں قابل کاشت بنائیں۔ یہ زمینیں ٹیکس سے آزاد تھیں۔ جب ان زمینوں

کو قابل کاشت بنالیا گیا تو پھر یہ نجی بن گئیں اور موروٹی طور پر خاندان میں منتقل ہونے لگیں۔

یہ اقطاع دو قسم کے تھے: اقطاع تمیک (ملوکہ جاگیر) اور اقطاع استقلال (وطاںف) الحاوردی نے اس موضع پر تفصیل سے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں بحث کی ہے۔ اس کے مطابق اقطاع تمیک تین قسم کی زمینیں ہو سکتی تھیں۔ غیر آباد، آباد، اور وہ کہ جہاں سے معدنیات نکلتی ہوں۔ غیر آباد جاگیر کے لئے حکمران کو یہ حق تھا کہ وہ کسی کو آباد کرنے کی غرض سے دے دے۔ اس پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ آباد ہونے کے بعد یہ زمین کب تک اس کے مالک کے پاس رہے گی۔ لیکن عام حالات میں عملی طور پر ایسی زمینیں اس خاندان کی ملکیت میں رہیں کہ جس نے انہیں آباد کیا تھا۔ (۹)

"اقطاع استقلال" قابل کاشت زمین ہوتی تھی اور یہ مالک کو ٹیکس کے سمجھوتے کے بعد وہ جاتی تھی۔ مالک کسانوں سے خراج اور زمین کا ٹیکس لیتا تھا اور خود عشرا دا کرتا

تھا (۱۰)

فوچی خدمات کے عوض اقطاع دینے کا سلسلہ آل بویہ (۹۳۵ - ۱۰۵۵) کے دور حکومت سے شروع ہوا۔ اس میں فوچی افسروں کو جوز میں دی جاتی تھی وہ تنخواہ کے عوض ہوا کرتی تھی۔ سلجوقی عہد میں نظام الملک طوسی (وفات ۱۰۹۵) نے بھی اس سلسلہ کو اختیار کیا اور فوچی سرداروں کو نقد کے بجائے زمینیں دینی شروع کر دیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح اقطاع دار زمین کا خیال رکھیں گے اور اس سے زرخیزی بڑھے گی۔ سلجوقی دور میں اس کو موروٹی نہیں بنایا گیا تھا بلکہ اقطاع دار حکمران کی مرضی کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ مرکزی حکومت میں انتظامیہ اس کی پوری تفصیل رکھتی تھی کہ اقطاع دار کے پاس کتنی زمین ہے۔ یونیوکی آمدنی کتنی ہے، اور وہ کتنی فوج رکھتا ہے۔ اس سے اس کی ملازمت کی شرائط طے ہوتی تھیں۔ اقطاع کے نظام میں زمین اقطاع دار کی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ یہ اسے حکومت کی جانب سے ملتی تھی اور یہ اس شخص پر کہ جسے ملتی تھی، منحصر ہوتا تھا کہ اسے کتنی زمین دی جائے۔ اس کی کارگزاری پر یہ زیادہ بھی ہو سکتی تھی، لیکن اگر اس سے غلطی ہو جائے، یا کارگزاری خراب ہو تو اس صورت میں اسے چھین بھی لیا جاتا تھا۔ حکمران کی

خوشنودی پر وہ دوبارہ سے بھی دے دی جاتی تھی۔ اقطاع دار کو یہ حق نہیں تھا کہ اسے فروخت کرے یا پڑھ پر دے۔ اور نہ ہی وہ اسے اپنی وصیت میں شامل کر سکتا تھا۔ اس کے کسانوں پر کوئی سیاسی، عدالتی یا ذاتی اختیارات بھی نہیں تھے۔ کیونکہ وہ حکمران کی رعیت تھے اور اس کے ساتھ وفادار ہوتے تھے۔ معاشرے میں اقطاع دار کا مرتبہ اس کی زمین سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کا تعین اس کے منصب، عمدے، فوجی حیثیت، اور حکمران سے اس کے تعلقات سے ہوتا تھا۔

اس کے بر عکس یورپ کے فیوڈل نظام میں، زرعی جاگیر جب فیوڈل لارڈ کو دی جاتی تھی تو کسانوں کی خدمات بھی اس کے حوالہ کر دی جاتی تھیں جو زمین پر کاشت کے عوض اسے لگان دیتے تھے۔ یہ جائداد مرکزی حکومت کی نگرانی سے آزاد ہوتی تھی اور اس کا لارڈ اس کا مالک اور وسیع اختیارات کا حامل ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کی حیثیت کسانوں اور اپنے ملازموں سے برتر ہوتی تھی مگر وہ ان کی محنت اور کارکردگی پر انحصار کرتا تھا۔ فرانس میں جب جائداد موروثی ہو گئی تو اس کے بعد سے فوجی خدمات دینے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اب اس سے فیوڈل لارڈ کے سماجی مرتبہ کا تعین ہوتا تھا اور وہ امراء کے دائرے میں آ جاتا تھا۔

یورپ کا فیوڈل ازم ایک ایسا نظام تھا کہ جس میں سماجی درجہ بندی سیاسی اقتدار و طاقت، طریقہ زندگی و رہن سمن، ثقافت و معیشت ان سب کا انحصار زمین کی پیداوار سے تھا۔ (۱۲)

جب سلجوقی حکمران کمزور ہوئے تو اس سے فائدہ اٹھا کر اقطاع داروں نے زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں موروثی بنادیا۔ اب وہ لوگ کہ جنہیں زمین بطور تنخواہ دی گئیں تھیں نہ صرف نیکس لیتے تھے بلکہ کسانوں پر زمین کی حق ملکیت بھی جماتے تھے۔ اس عرصہ میں انسوں نے جو دولت اکٹھی کی اس سے اور زمینیں خریدیں اور ان کو اقطاع میں شامل کر کے وراثت کے اصول کو قائم کر دیا۔ (۱۲) جب سیاسی انتشار کے دوران، انسوں نے کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور انہیں اپنی رعایا سمجھنا شروع کر دیا تو اس صورت میں وہ یورپی فیوڈل ازم کے قریب ہو گئے۔

محمد سلطین میں جاگیرداری کا نظام

ہندوستان میں اقطاع کے نظام کو غوری فاتحین اپنے ساتھ لے کر آئے۔ اس نظام میں زمین کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اول، خالصہ زمین جو حکمران کے اخراجات کے لئے ہوتی تھی، دوم اقطاع جو فوجیوں کو دی جاتی تھی۔ یہ امراء کا مرتبہ بھی حاصل کر لیتے تھے اور اقطاع دار کہلاتے تھے۔ ان کے پاس معاشی اور سیاسی اختیارات ہوتے تھے مگر یہ پیداوار کو بڑھا سکیں۔ سوم، وہ جاگیریں جو مذہبی و سماجی بہبود کے لئے دی جاتی تھیں۔ یہ ملک، انعام، وقف، مفروظ، اور ادارہ کھلائی تھیں۔

اقطاع داروں کا طبقہ حکمران خاندانوں کے ساتھ بدلتا رہتا تھا۔ غوری دور میں جن امراء کو اقطاع دئے گئے ان میں آزاد اور غلام دونوں شامل تھے۔ چونکہ اس ابتدائی عمد میں مرکزی حکومت مستحکم نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کو بڑھایا تھا۔ خاندان غلامی کے حکمرانوں کا تعلق کسی قدیمی شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ اس لئے وہ دوسرے امراء سے خود کو برتر ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے امراء ہر وقت بغاوت کے لئے تیار ہتے تھے۔ امراء کے عروج کا زمانہ التش کے بعد کا ہے کہ جب ”امیر چھل گانہ“ کے نام سے امراء کا ایک گروپ بن گیا تھا جو جائداد، دولت، اور خطابات میں برابر کے تھے۔ یہ اس قدر طاقت ور ہو گئے تھے کہ بادشاہ تک کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر اپنی پسند کے بادشاہ تخت پر بٹھائے۔ جب رضیہ سلطانہ ان کی مرضی کے خلاف حکمران بی تو انہوں نے ہی مل کر اسے ٹکست دی۔ ان کا زور اس وقت ٹوٹا جب میں (۸۶ - ۱۲۶۶) بادشاہ بنا، چونکہ ایک زمانہ میں اس کا بھی اس گروہ سے تعلق رہ چکا تھا اس لئے وہ ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ بادشاہت کا ادارہ اس وقت تک مضبوط نہیں ہو سکتا ہے جب تک ان امراء کی طاقت کو نہیں توڑا جائے گا۔ لہذا اس نے ان طاقتوں امراء کے خلاف ایک ایک کر کے اقدامات کئے اور ضیاء الدین برلنی کے مطابق اس نے ان سربر آور دہ امراء کو شراب یا شربت میں زہر دلو اکر

ملڈالا۔ (۱۳)

بلبن ہی کی توجہ اس امر کی طرف دلائی گئی کہ التمش زمانے کے اقطاع دار نااہل و ناکارہ ہو گئے ہیں اور اپنے فرانس میں لیت و لعل کرنے لگے ہیں۔ وہ ہدایت کے مطابق مقررہ تعداد میں فوجی نہیں رکھتے ہیں اور دیوان عرض (فوج کا شعبہ) کے ساتھ مل کر گاؤں کو اپنے قبضے میں لئے ہوئے ہیں۔ جب اس نے معلومات اکٹھی کیں تو اسے معلوم ہوا کہ ان اقطاع داروں میں بہت سے توبوڑھے ہو گئے تھے۔ ان میں سے جو وفات پا گئے تھے ان کی جائدادیں ان کی اولاد نے بطور میراث اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ یہ اقطاع دار خود کو مالکی یا انعامی (یعنی ملکیت کے حقوق یا بطور انعام جائداد کا ملنا) سمجھتے تھے اور یہ دلیل دیتے تھے کہ یہ جائدادیں التمش نے انہیں انعام میں دی تھیں۔ ان کے ذمہ جو فوج رکھنا تھی، یہ اس شرط کو پورا نہیں کرتے تھے اور دیوان عرض کے اہل کاروں کو رشتہ دے کر کاغذی کارروائی پوری کرایتے تھے۔

بلبن نے ان اقطاع داروں کا یہ حل نکلا کہ جو بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور جنگ کے قابل نہیں رہے تھے ان کے ۳۰ سے ۵۰ سنہ وظیفہ مقرر کر کے ان کی جائدادیں خالصہ میں شامل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد دوسرے گروہ کہ جس میں ادھیڑ عمر کے لوگ تھے، ان کی تباہیں بھی ان کی استعداد کے مطابق مقرر کیں اور حکم دیا کہ جائداد کی فاضل آمدیں ان سے لے لی جائے مگر گاؤں ان کے پاس رہیں۔ تیراً گروہ کہ جس میں پیتم اور پوامیں تھیں، ان کے بازے میں حکم دیا جائداد کی آمدیں سے ان کے اخراجات ادا کر کے باقی خزانے میں جمع کرا دیا جائے۔

بلبن کے ان احکامات کی وجہ سے تمام اقطاع داروں میں صفائی بچھ گئی انسوں نے فخر الدین کو توال کے پاس آ کر کہا کہ ”مس الدین کے عمد سے آج تک جو پچاس سال سے زائد کی مدت ہوئی ہے دو آبہ کے اطراف میں ہمارے اقطاع تھے، جو ہم کو بادشاہ نے دئے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ وہ ہم کو بطور انعام دئے گئے ہیں، اور ہمارے اہل و عیال کی گزر بسر کا ان ہی پر انحصار تھا۔ جتنی ہم کو مقدرت تھی، لشکر کی تیاری کے لئے گھوڑے والے دیوان عرض میں پیش کرتے تھے۔ بادشاہوں کے درباروں میں حاضری دیتے نہیں اور ہم میں سے جو لوگ اس قابل ہوتے کہ لشکر میں شریک ہو سکیں وہ لشکر میں شامل ہو جاتے تھے۔

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ پیرانہ سالی میں ہم کو یوں راندہ درگاہ کر دیا جائے گا۔ ”بلبن نے ان کا یہ احوال سن کر ان کی جائدادیں ان کے پاس رہنے دیں۔ (۱۲)

برنی کی اس تفصیل سے ایک تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقطاع داروں کے فرائض کیا تھے؟ دوسرے یہ کہ جب بادشاہ کمزور ہوا تو انہوں نے زمین پر قبضہ کر لیا اور رشوت و سفارش کے ذریعہ اپنی مراعات کو باقی رکھا۔ بلبن نے بھی ان کی خاندانی خدمات کے پیش نظر یہ زمینیں ان کے پاس رہنے دیں۔

علاوہ الدین (۱۳۱۶ - ۱۲۹۶) سازش کے ذریعہ اپنے چچا جلال الدین کو قتل کر کے بادشاہ بن تھا۔ اس لئے خود اس کے ابتدائی عمد میں کئی امراء نے سازشیں کیں کہ اس کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کیا جائے۔ چنانچہ جب اس نے اس کا جائزہ لیا کہ امراء کیوں سازش کرتے ہیں تو اور بالتوں کے علاوہ ان میں ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی ہے۔ لہذا اس نے برنی کے مطابق:

”حکم دیا کہ جس کسی کے پاس بھی اگر کوئی گاؤں، ملک، انعام یا وقف کے طور پر ہے، تو اس کو قلم کی ایک ہی جنبش (بہیک قلم) سے خالصہ میں واپس لے لیں۔ حالت ہو گئی کہ ملوک و امراء کے گھروں میں تھوڑا روپیہ بھی باقی نہیں رہا۔ اس کی غایتی طلبی اس حد تک کو پہنچ گئی کہ ان چند ہزار یتنکوں کے علاوہ جو دہلی میں بطور وظائف دئے جاتے تھے، تمام بlad ممالک میں وظائف (اور ارات) انعامات، مفروضات، اور اوقاف واپس لے لئے گئے۔ چنانچہ ہر شخص روزی کمانے میں ایسا مصروف ہو گیا کہ بغاوت کا نام بھی کسی کی زبان پر نہیں آتا تھا۔“ (۱۰)

اس کے علاوہ علاوہ الدین نے زمینداروں کی طاقت کو کھلنے کے لئے زرعی اصلاحات کیں اور یہ حکم دیا کہ دو آبہ اور دوسرے زرخیز علاقوں سے پیداوار کا نصف حصہ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

چودھریوں خوطوں اور مقدموں کا سرکشی کرنا و بغاوت کرنا، گھوڑے پر سوار ہونا، ہتھیار باندھنا، اچھے کپڑے پہننا اور پان کھانا بالکل ختم ہو گیا۔ محصول

لینے کے معاملہ میں سب پر ایک ہی حکم نافذ تھا۔ لوگوں کی اطاعت کا یہ حال ہو گیا کہ قصابت کی کچھروں (دیوان ہا) کا ایک سپاہی بیس خطوط، مقدموں، اور چودھروں کی گردن میں رسی (رشتہ) باندھ کر لاتوں اور لکڑی سے مرتا تھا کہ محصول کی ادائیگی (مطلوبہ خراج) کریں۔ کسی ہندو کے لئے اب یہ ممکن نہ تھا کہ سراونچا کرے۔ ہندوؤں کے گھروں میں سونے، چاہلی، تنکہ، جیتل، اور ضرورت سے زیادہ سامان جو تمد اور سرکشی کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کا نشان تک نہیں رہا۔ (۱۶)

عبد سلاطین میں چونکہ حکمران خاندان تیزی سے بدلتے تھے۔ اس لئے نیا حکمران خاندان اقتدار میں آنے کے بعد اپنے حامیوں کا نیا گروہ بناتا تھا اور انہیں جاگیریں و زمین دیتا تھا۔ اس وجہ سے اس دور میں اقطاع داروں کا کوئی مستقبل طبقہ وجود میں نہیں آیا۔ اس کا اندازہ برلنی کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اس نے سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۵ - ۱۳۲۰) کے بادشاہ بننے کے بعد جائداد کی منسوخی و اجراء کے بارے میں دیا ہے۔ اول تو اس نے عبد علاء الدین کے اقطاع داروں کی زمینوں کو بحال کر دیا۔ مگر جو جائدادیں خروخاں نے (۱۳۲۰) اپنے چار مینوں کی حکومت کے دوران دیں تھیں اور دیوان وزارت میں ان کا اندرج تھا، ایسی جائدادوں کو فوراً ختم کر دیا، اسی طرح جوز مینیں قطب الدین (۱۳۲۰ - ۱۳۲۶) کے عبد میں بے جا سرپرستی کے طور پر دی تھیں انہیں چھان بین کے بعد یا تو ختم کر دیا اور یا بحال کر دیا۔ (۱۷)

فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸ - ۱۳۵۱) جن حالات میں تخت نشین ہوا تھا۔ اسے خاص طور سے علماء و مشائخ کی حمایت کی ضرورت تھی۔ ان قدیم امراء کی جو محمد تغلق کے زمانہ میں مراعات سے محروم ہو گئے تھے مدد چاہتے تھے اس لئے اس نے برلنی کے بیان کے مطابق ”ایک سو ستر برس میں بادشاہوں نے مسادات، علماء، مشائخ اور دیگر مستحقین کے حق میں جو وظائف، گاؤں اور زمین دی تھی اور جو بعد میں خالصہ میں شامل ہو گئی وہ سب ان لوگوں کی اولادوں میں بحال کر دیں۔“ (۱۸)

جب لودی خاندان بر سر اقتدار آیا (۱۵۲۶ - ۱۳۵۱) تو کچھ تو اقطاع دار سیاسی

انشار اور مرکزی حکومت کے فاتحہ اور کمزوری کی وجہ سے آزاد و خود مختار ہو گئے تھے اور کچھ اس اتار چڑھاؤ میں غائب ہو گئے تھے۔ لودیوں کا تعلق چونکہ پٹھانوں سے تھاں لئے انہوں نے دوسری ذات و نسل کے لوگوں پر زیادہ اعتبار نہیں کیا۔ بہلوں لودی نے خصوصیت سے پٹھانوں سے درخواست کی کہ وہ ہندوستان میں آکر اس کے ہاتھ مفبوط کریں۔

مخزن انغانی کے مصنف کے بقول:

”اس نے اپنی بھی خوابوں میں سے چند ایک کے ساتھ مشورہ کیا کہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں کے پاس وسائل بہت ہیں اور عوام میں ان کا اثر و رسوخ بھی بہت ہے جب کہ میں یہاں بے کس اور غریب الدیار ہوں اور میرے خویش و اقربا کی تعداد یہاں اتنی نہیں کہ کسی آڑے وقت میں میری مدد کر سکیں۔ اس لئے اگر تم مناسب سمجھوتے میں روہ کے علاقے سے اپنے کچھ عزیز اور رشتہ داروں سے مدد مانگ لوں۔“ (۱۹)

جب امراء نے اس تجویز کو پسند کیا تو سلطان نے افغان قبیلوں کے سرداروں کے نام خطوط لکھے اور انہیں ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ اس طرح سے اس نے پٹھان حماٹتوں کی ایک جماعت تیار کی اور انہیں اپنا وفادار بنانے کے لئے انہیں زمینیں دیں۔ (۲۰)

بہلوں لودی نے قبائلی روایات کا خیال کرتے ہوئے کبھی پٹھان جاگیرداروں کو کم تر نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ مسادیانہ سلوک کیا۔ وہ تخت کی بجائے ان کے ساتھ قالین پر بیٹھتا تھا اور ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ سکندر لودی کے زمانہ میں پٹھان جاگیرداروں کے بارے میں ”واقعات مشتاق“ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

”آدھا ملک فارمولیوں کو بطور جاگیر دے دیا گیا تھا اور آدھا دوسرے افغان قبیلوں کو۔ اس کے عمد میں لوہانی اور فارمولی اثر و رسوخ کے ملک تھے۔ سروانی قبیلہ کا سردار اعظم ہمایوں تھا۔ جب کہ لودیوں کے چار سردار تھے۔“ (۲۱)

ملک کی اس طرح سے جاگیروں میں تقسیم کے نتیجہ میں سلطان اور جاگیرداروں میں کشمکش کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ اگر حکمران میں صلاحیت و لیاقت ہوتی تو وہ جاگیرداروں کو اپنے قابو میں رکھتا تھا اور نہ اسے بغاوتوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ جب جاگیردار آزاد و خود مختار ہو جاتے تو ان سے مراعات کا چھین لینا مشکل ہو جاتا تھا۔

افغانوں کے زمانہ میں سلطان اور پٹھان جاگیرداروں کے درمیان تصادم کی ایک وجہ یہ تھی کہ افغان جاگیردار قبائلی کردار کے حامل تھے بہلوں لودی نے اپنے رویہ سے انہیں مطمئن کر رکھا تھا۔ مگر جب ابرہیم لودی نے بادشاہ کی طاقت کو بڑھانے کی خاطر ان پر سختی کی تو انہوں نے اس سے بغاوت کر کے بابر کو ہندوستان آنے کی دعوت دے دی۔

عبد سلاطین میں اقطاع کا نظام بادشاہ اور اقطاع داروں کے درمیان ایک فوجی معاملہ تھا کہ وہ اپنے اقطاع کی آمدنی کو ایک خاص مقرر شدہ فوج رکھنے میں استعمال کرے گا اور جب بھی ضرورت پڑے گی فوج کے ساتھ اس کی مدد کرے گا۔ اس لئے سلطان نئی فتوحات، بغاوتوں کے خاتمه اور شورشوں کو دبانے کے لئے ان پر انحصار کرتا تھا۔

بادشاہ اگر طاقت ور ہوتا تو اسے بڑے بڑے اقطاع داروں کی مدد حاصل رہتی تھی۔ اس کی وجہ سے دوسرے چھوٹے اقطاع دار بھی وفاردار رہتے تھے۔ مگر کمزور بادشاہ کے زمانہ میں نہ تو یہ مرکزی حکومت کی مدد کرتے تھے اور نہ ہی اس کا مالی حصہ اسے دیتے تھے۔ اس لئے حکمران نہ تو بغاوتوں کا خاتمه کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنا دفاع۔

بڑے بڑے اقطاع دار چونکہ امراء کے طبقے میں آ جاتے تھے اس لئے یہ دربار یا صوبوں کے بڑے شروں میں پہنچتے تھے۔ ان کا تعلق اپنی جائیداد کے کسانوں سے نہیں ہوتا تھا، ریونیوکی وصولیابی ان کے کارکن کرتے تھے۔

انہیں جائیداد سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کی وجہ سے ان کا معیار زندگی انتہائی بلند ہو گیا تھا۔ مثلاً سلطان فیروز شاہ کے وزیر خان جہاں کو اپنی جاگیر سے ۵ لاکھ تنکے ملا کرتے تھے۔ جب اس کا ایک امیر ملک شاہین مراہے تو اس نے ترکہ میں ۵۰ ہزار تنکے چھوڑے۔ قیمتی اشیاء، ہیرے جواہرات اور دوسری جائیدادیں علیحدہ سے تھیں۔ ایک دوسرے امیر نے ایک کروڑ سانچھ لاکھ کی رقم جمع کی تھی۔ محمد میاں کالا پہاڑ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ

اس کے پاس ۳۰۰ میں سونا تھا۔ یہ صورت حال صرف مسلمان جاگیرداروں کی ہی نہیں تھی، ہندو جاگیردار بھی اپنی دولت کی وجہ سے مشہور تھے ہیرانیا اور گوردھن کے پاس ۷ گاؤں تھے اور ۱۰ لاکھ تنکے سے زیادہ رقم۔ (۲۲)

لودی اور سوری دور میں افغان جاگیردار اپنی جاگیروں پر رہتے تھے۔ اس لئے ان کا تعلق مقامی آبادی سے گرا ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہندوستانی رسومات اختیار کر لی تھیں اور اپنے رہن سمن میں مقامی آبادی سے مل گئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں ترک و ایرانی خود کو مقامی لوگوں سے برتر سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کی وجہ سے بھی ان کے اور مقامی لوگوں کے رابطے نہیں تھے۔ افغانوں نے مقامی زبانیں سیکھ لیں تھیں اور ہندوستان میں اپنی جڑیں جمالی تھیں کیونکہ ایک طرح سے ان کا تعلق اسی سر زمین سے تھا۔

اقطاع داری اور جاگیرداری کے اس نظام میں کسان کی زندگی مفلسی و غربت میں گذرتی تھی۔ اسے پیداوار کا بڑا حصہ لگان کی صورت میں ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس کے بعد اسے پچاری یا مندر کو دینا ہوتا تھا۔ بعد میں اس کے پاس جو کچھ بچتا تھا وہ اس کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ اس لئے ہندوستان کا کسان نیم برهنہ و فاقہ کشی کی تصویر تھا۔ حکمران اپنی فوجی طاقت و قوت کی بنیاد پر پیداوار کی زائد مقدار گاؤں سے لے جاتے تھے اور اسے شروں میں استعمال کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے گاؤں کی زندگی انتہائی پس ماندہ اور ٹھہری ہوئی رہی۔

جاگیرداری عہد مغلیہ میں

جاگیر کی اصطلاح ہندوستان میں پندرھویں صدی میں استعمال ہونا شروع ہوئی ورنہ اس سے پہلے تیول یا اقطاع کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ بابر (۱۵۲۶ - ۱۵۳۰) نے سلاطین کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے اقطاع کے نظام کو برقرار رکھا اور فتح کے بعد اپنے امراء کو مفتوحہ زمین بطور اقطاع دیں۔ ہمایوں (۱۵۳۰ - ۱۵۵۵ / ۵۶) کو اتنا وقت نہیں مل سکا کہ وہ اس نظام کو مظبوط کرتا۔ اس لئے اس نظام کی تشكیل نواکبر (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵) کے زمانہ میں ہوئی۔ اب جاگیر صرف اس غرض سے دی جاتی تھی کہ جاگیردار مرکزی حکومت کو فوج فراہم کرے گا۔ مگر اکبر نے اپنا منصب داری کا جو نظام ڈھالا اس میں فوجی ہو

یا منتظم، اسے تنخواہ کے عوض جائیداری جاتی تھی۔ اس لئے جائیدار انتظامیہ کی تشکیل میں ایک اہم عنصر بن گئی۔

کسی بھی منصب دار کو جائیدار ملک کے کسی حصہ میں بھی دی جاسکتی تھی۔ اس خیال سے کہ جائیدار اپنے علاقے میں اثر و رسوخ قائم نہ کرے۔ اس کا تمیں یا چار سال بعد تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اسے کبھی جائیدار سندھ میں دی جاتی تھی، اور کبھی بنگال میں۔ جائیدار کے تبادلوں کے اثاثات منفی بھی تھے اور مثبت بھی۔ جائیدار کے ان تبادلوں کی وجہ سے جائیدار کے انتظام میں گڑبرڈ ہو جاتی تھی، کیونکہ جائیدار کو جانے اور دوسرے کو وہاں آکر چارج لینے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ اس دوران میں منصب دار ادائیگی سے محروم رہتا تھا۔ اگرچہ بعد میں ادائیگی بھی ہو جاتی تھی اور اس کے بقایا جات بھی ادا کر دئے جاتے تھے مگر اس کی وجہ سے انتظام صحیح طور پر نہیں چلتا تھا۔ جائیداروں کے ان تبادلوں کی وجہ سے جائیدار اس کی بستی کی طرف پوری توجہ نہیں دیتا تھا اور اس کے انتظامات کو ماتحتوں پر چھوڑ دیتا تھا۔ (۲۳) لیکن اس کا فائدہ یہ تھا کہ منصب دار کو ملک کے ہر حصے اور علاقے سے واقفیت ہو جاتی تھی اور مسلسل حرکت کی وجہ سے ملک اور معاشرے کے بارے میں اس کا وژن وسیع ہوتا تھا۔

یہ جائیدار ”تیول دار“ بھی کہلاتے تھے۔ شاہی خاندان کے جن افراد کو جائیداری جاتی تھیں یہ ”تیول وکلائے سرکاری دولت مدار“ کہلاتے تھے۔ چونکہ جائیدار تنخواہ کے عوض دی جاتی تھی اس لئے یہ جائیدار تنخواہ جائیدار یا تنخولہ جائیدار کہلاتی تھی۔ وہ جائیداریں کہ جن کے ساتھ کوئی شرط نہیں ہوتی تھی وہ انعام کہلاتی تھیں۔ (۲۴)

وہ جائیدار جو کسی کو دے دی گئی ہوتی تھی مگر وقت طور پر اس کی نگرانی بادشاہ کے ملازمین کر رہے ہوتے تھے وہ ”پائے باقی“ کہلاتی تھیں۔ خالصہ جائیدار بادشاہ اور شاہی خاندان کے اخراجات کے لئے ہوتی تھی۔ یہ وقت و حالات کے ساتھ گھشتی بڑھتی رہتی تھی۔ بادشاہ اکثر زر خیز اور اچھے علاقوں کو خالصہ جائیدار میں شامل کر لیا کرتا تھا۔ مگر جب ضرورت پڑتی تھی تو اس میں سے منصب داروں کو بھی دے دی جاتی تھی۔ (۲۵)

جیسے جیسے مغل سلطنت کا پھیلاو بڑھتا گیا اسی طرح سے منصب داروں کی تعداد

بڑھتی رہی۔ ایران و توران سے یہاں پر امراء اس امید پر آتے تھے کہ انہیں یہاں زیادہ موقوع ملیں گے۔ اس لئے ان لوگوں کو منصب بھی دئے جاتے تھے اور جاگیریں بھی۔ مغلوں نے راجپوتوں، مراہٹوں، اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی جاگیریں دیں۔ اس کی وجہ سے سلطنت پر کافی بوجھ ہو گیا تھا۔

جاگیر کے انتظام کا طریقہ یہ تھا کہ جاگیردار اپنی جاگیریں ریونیو اور فنکس کی وصولیابی کے لئے اپنے کارکن مقرر کرتا تھا۔ بڑے جاگیردار، چھوٹے جاگیرداروں کے مقابلہ میں جاگیر کا انتظام بہتر طریقہ سے کر لیتے تھے کیونکہ ان کے پاس زیادہ وسائل ہوتے تھے۔ شزادوں کی جاگیریں خالصہ جاگیر سے مل جاتی تھیں۔ ان کی جاگیر کے عامل "کروڑی" کہلاتے تھے۔ جاگیر میں اہم عمدے دور ایں ہوا کرتا تھا۔ یہ فصل پر مالیہ کا اندازہ لگاتا تھا۔ فوطہ دار خزانچی ہوتا تھا۔ کارکن حساب کتاب رکھتا تھا۔ کبھی ایک ہی شخص کو دو عمدے مل جایا کرتے تھے۔ عام جاگیردار کا گماشتہ عامل ہوا کرتا تھا، یہ تعلقدار بھی کہلاتا تھا۔ جاگیردار عامل سے جو رقم لیتا تھا وہ "قبض" کہلاتی تھی۔ جاگیردار ایسے عامل کو ترجیح دیتا تھا جو اسے زیادہ قبض دے۔ عاملوں کے تقریب میں وہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ ایسے لوگوں کا تقرر کرے کہ جو مقامی نہ ہوں۔ کیونکہ مقامی ہونے کی صورت میں اپنی برادری، ذات، اور خاندان کے لوگوں کے ساتھ رعایت کر سکتا تھا۔ عاملوں کی نگرانی مشکل ہوتی تھی، کیونکہ جاگیردار عام طور سے جاگیر سے دور ہوتا تھا اور اس کے لئے جاگیر کے معاملات کی دلکشی بھال مشکل ہوتی تھی۔ اس وجہ سے بد عنوانیاں عام تھیں۔

کچھ جاگیردار ریونیو کی وصولیابی کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے اپنی جاگیریں اپنے فوجیوں میں تقسیم کر دیتے تھے تاکہ وہ وہاں سے اپنا خرچہ پورا کریں۔ یہ عام طور سے چھوٹے جاگیردار کرتے تھے کہ جو دور رہتے ہوئے جاگیر کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی بڑے جاگیردار ریونیو کی وصولیابی کے لئے اپنی جاگیریں تاجریوں کے حوالے کر دیتے تھے۔

ریاست نے جاگیرداروں کو کھلی چھٹی نہیں دے رکھی تھی اور ان پر گری نظر رکھی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لئے ریاست کی جانب سے کچھ عمدے دار ہوتے تھے تاکہ وہ یہ

دیکھیں کہ جاگیردار کا عملہ کسانوں سے زیادہ ریونیو نہیں لے رہا اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔ ان عمدے داروں میں قانون گو، فوجدار، اور قاضی اہم عمدیدار ہوا کرتے تھے۔ قاضی کو عدالتی اختیارات حاصل ہوتے تھے اور اس کی آمدنی کا ذریعہ مدد معاش ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنے فیصلوں میں جاگیردار کا ماتحت نہیں ہوا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ واقعہ نویس اور سوانح نویس ہوتے تھے جو جاگیر کی صورت حال سے دربار کو آگاہ رکھتے تھے۔ کسان کو یہ اجازت تھی کہ ان سے شکایت کر سکتا تھا۔ اگرچہ جاگیردار اس بات کی پوری کوشش کرتا تھا کہ اپنے خلاف شکایتوں کو روکے، مگر اس کے باوجود واقعہ نویس دربار کو اطلاعات بھجواتا رہتا تھا۔

جاگیردار یہ بھی کرتا تھا کہ عامل سے پیشگی قبضہ لے کر اسے جاگیر پر بھیجا تھا کہ وہ ریونیو وصول کرے۔ عامل اس صورت میں اپنی رقم کو معہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے کسانوں پر سختی کرتا تھا۔ (۲۶)

مغل دربار جاگیر کی آمدنی و اخراجات کا پورا حساب رکھتا تھا۔ اس طرح مغل منصب دار ریونیو وصول کرنے کا تو حق رکھتا تھا مگر جاگیر پر اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ یہ موروثی نہیں ہوتی تھی۔ بڑے منصب دار ایک سے زیادہ بھی جاگیریں رکھ سکتے تھے۔ ان کے لئے ضروری نہیں تھا کہ قریب قریب ہوں، یہ ایک دوسرے سے بھی دور ہو سکتی تھیں اور کئی صوبوں میں بھی۔ بڑے جاگیردار اپنی جاگیریں کو طویل عرصہ کے لئے بھی رکھ سکتے تھے۔ یہ مدت دس سال بھی ہو سکتی تھی۔ مرکزی حکومت اس پر نظر رکھتی تھی کہ ریونیو کی وصولیابی میں ظلم نہ ہو۔ ریونیو کی وصولیابی مرکز کے مقرر شدہ قوانین کے تحت ہوا کرتی تھی۔

چونکہ منصب داروں کے اخراجات اور آمدنی میں کوئی توازن نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ قرضہ لے کر گزارا کرتے تھے۔ یہ قرضہ ساہو کار اور صراف دیا کرتے تھے اور ریونیو کی وصولیابی کے وقت وہ ادائیگی کا تقاضہ کرتے تھے۔ (۲۷)

راجپوت امراء کو وطن جاگیر دی جاتی تھی جو کہ موروثی ہوتی تھی۔ اس میں شرط یہ تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں رہیں اور انہیں وسعت نہ دیں۔ ضرورت پر بادشاہ کی فوج کے

ذریعہ سے مدد کریں۔ اگر ان پر حملہ ہو تو بادشاہ ان کی حفاظت کرے گا۔ اس کے علاوہ انہیں وطن سے باہر بھی جا گیر دی جاتی تھی جو کہ تنخواہ جا گیر کملاتی تھی۔ مثلاً مہاراجہ جسونت سنگھ کو مارواڑ کے علاوہ حصار میں بھی جا گیر ملی تھی (۲۸)

بادشاہ وطن جا گیر پر قبضہ نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے وارثوں کو دے دیتا تھا۔ اس وجہ سے جب ۱۶۷۹ء میں اورنگ زیب نے جودھپور کو خالصہ کیا تو اس سے رانحور راجپوت حکمران غم و غصہ پھیل گیا۔ (۲۹) وطن جا گیر کے جا گیر دار دراصل خود مختار راجپوت حکمران تھے۔ جب انہوں نے مغل سلطنت کی سیاسی برتری تسلیم کر لی تو یہ بادشاہ کو بطور اظہار وفاداری اور اطاعت گزاری خراج دیا کرتے تھے۔ مگر یہ اپنے اندر ونی معاملات میں بالکل آزاد ہوتے تھے اور بادشاہ سے ان کی کوئی شکایت نہیں کی جاسکتی تھی۔ مغل بادشاہ کو یہ حق ضرور تھا کہ وہ وارث کے انتخاب میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس پالیسی کو بعد میں برطانوی حکومت نے مقامی ریاستوں کے ساتھ اختیار کیا۔

جن راجپوت حکمرانوں نے مغل بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا انہیں راجہ یا مہاراجہ کے بجائے زمیندار کہا جاتا تھا۔ کیونکہ راجہ اور مہاراجہ کے خطابات سے اس کی سیاسی طاقت اور خود مختاری کا اظہار ہوتا تھا۔ جبکہ زمیندار کی حیثیت سے اس کا درجہ کم ہو جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے علاقوں میں رعایا انہیں حکمران ہی سمجھتی تھی اور ان کی وفادار ہوتی تھی۔ مغلوں کے زوال کے وقت یہ زمیندار اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہو گئے اور دوبارہ سے اپنی رعیت سے رشتہ مستحکم کر لیا۔

مدد معاش

جا گیر کی ایک قسم مدد معاش ہوتی تھی جسے سیور غال بھی کہتے تھے۔ یہ مسلمان علماء، صوفیاء۔ مشائخ۔ غریب و مفلس، اور وہ شریف خاندان کے لوگ جو کام کرنا نہ چاہیں انہیں یہ بطور مالی مدد دی جاتی تھی۔ اکبر نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہ زمین ہندو جو گیوں اور مندروں کو بھی دیں۔ یہ جا گیریں تیکس سے آزاد ہوتی تھیں۔ مگر ان کی تجدید ہوتی رہتی تھی۔ (۳۰) یہ جا گیر عاریتا۔ دی جاتی تھی اور کسی کی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ مگر مسلمان

علماء لی یہ لوت سرہی کہ انہیں موروثی کر دیا جائے۔ اور نگ زیب (۱۷۰ - ۱۶۵۸) کے زمانہ میں ۱۶۹۰ء میں یہ جا گیریں علماء کے دباو کے تحت موروثی کر دی گئیں، اس سے علماء کے اثر و رسوخ کا اندازہ ہوتا ہے۔

بدایوانی نے لکھا ہے کہ جب شیخ عبدالنبی صدرالصدر ہوئے تو انہوں نے بہت سی زمینیں بطور مدد معاش علماء میں تقسیم کیں اور اس میں جانبداری سے کام لیا۔ (۳۱) جب اکبر کے خلاف علماء میں اس کے مذہبی خیالات کی وجہ سے اشتعال پھیلا اور اس کے خلاف کفر کے فتوے لگائے گئے تو اس نے مدد معاش کی جا گیروں کو منسوخ کر کے ان کی دوبارہ سے تجدید کی اور ان علماء کو دیں جنہوں نے اس کے ساتھ وفادار رہنے کا وعدہ لیا۔

مدد معاش کے اثاثات ہندوستان کے معاشرے پر گھرے ہوئے کیونکہ علماء مشائخ اور صوفیا کہ جنہیں یہ جانبادیں ملیں تھیں، وہ بڑے منصب داروں اور جا گیرداروں کی طرح بڑے شروں یا دربار میں رہ کر اپنی جانباد کا انتظام نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ زمین اتنی ہوتی تھی کہ بس ان کا گزارہ ہو جائے۔ اس لئے یہ لوگ اس پر مجبور ہوئے کہ شروں کو چھوڑ کر دیہات میں اپنی جانبادوں پر رہیں۔ اس وجہ سے ان میں اور مقامی لوگوں کے تعلقات میں ایک نئے باب کی ابتداء ہوئی۔ خصوصیت سے عام لوگوں کو ان سے ملنے کے بعد دوسرے ہی احساسات ہوئے۔ اب تک مقامی ہندو فوجیوں اور انتظامیہ کے عمدے داروں سے واسطہ رکھتے تھے۔ مگر اب ان کا واسطہ ان مذہبی لوگوں سے پڑا کہ جو مذہبی علوم کے مطالعہ اور تعلیم میں مصروف رہتے تھے۔ ان دونوں طبقوں کا فرق نمایاں تھا۔ طبقہ اول طاقت و قوت کا حامل تھا جس کی وجہ سے اس کارویہ رعیت کی طرف سے سختی کا تھا۔ ان میں رعونت و غور تھا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں علماء و مشائخ کا طبقہ اپنے کم سماجی رتبہ کی وجہ سے ان سے ملنے میں کوئی ہچکچا ہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ ان مذہبی لوگوں نے ایک طرف تو ہندوؤں سے اپنے تعلقات بڑھائے تو دوسری طرف حکومت کو مقامی حالات سے واقف رکھا۔ نعمان احمد نے مدد معاش کے حوالے سے جس مذہبی رواداری کا تجزیہ کیا ہے وہ اپنی جگہ بڑا ہم ہے۔

”اجتماعی اعتبار سے اس ادارے کے باعث دیہاتی آبادی میں مذہبی

رواداری کا احساس پیدا ہوا۔ مسلمان ملک کے اندر ونی علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور ہندو آبادی سے براہ راست ربط و ضبط پیدا کیا۔ ان مسلمانوں نے اپنے مذہبی معتقدات اور رسومات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا اور ان کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ تاہم وہ مقامی روایات سے تھوڑے بہت متاثر ضرور ہوئے۔ مثلاً وہ مقامی جشن اور میلوں میں حصہ لینے لگے۔ اس لئے نہیں کہ جشن کی فکری بنیادیں ان کے لئے قابل قبول بن گئیں بلکہ محض اجتماعی تعاون اور ہم آہنگی کی خاطر..... اس سے دیہات کے سیدھے سادھے اور تربیت سے محروم ہندوؤں کو مسلمانوں کی تمدید اور مذہبی ارکان و رسومات کے براہ راست مشاہدہ کا موقع ملا۔ آہستہ آہستہ ہندوؤں کو محسوس ہوا کہ مسلمان ایسے کثر نہیں ہیں جیسا کہ قدیم تعصبات کے تحت وہ سمجھتے آئے تھے چنانچہ دیہات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی رواداری کا ایک محکم رویہ پیدا ہوا اور انہوں نے محسوس کیا کہ موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں ان کی ضروریات اور ان کے مسائل یکساں ہیں۔ " (۳۲)

زمیندار

جاگیرداری نظام کا ایک اہم ستون دیہاتی زمیندار ہوا کرتا تھا۔ عرفان جبیب کے خیال کے مطابق زمیندار کے لفظ کا استعمال شاید ہندوستان میں چودھویں صدی میں راجح ہوا ہے کیونکہ یہ اصطلاح ایران میں نہیں پائی جاتی تھی۔ ابوالفضل اس کے لئے ایک اور لفظ "بومی" استعمال کرتا ہے (بوم بمعنی زمین) (۳۳) آندرام مخلص نے زمینداری کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ شخص جوار ارضی رکھتا ہو اور اس پر کاشت کرتا ہو۔ یہاں پر یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ اراضی کا مالک کون ہوتا ہے بادشاہ یا زمیندار، قدیم زمانہ میں مالک راجہ یا زمیندار تھے، مغلوں کے زمانہ میں بادشاہ ہوا۔ اب وہ زمیندار کو مقرر اور معزول کر سکتا تھا۔ لیکن درحقیقت زمین کی ملکیت بادشاہ یا زمیندار کی نہیں ہوتی تھی۔ انہیں اس پر

ریونیو و صول کرنے کا حق ہوا کرتا تھا۔ (۳۲)

زمیندار قبیلہ یا برداری کے وہ سردار تھے کہ جنہوں نے جنگلات کو صاف کر کے زراعت کے لئے زمین ہموار کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعض زمینداروں کے آباو اجداد فاتح اقوام سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح زمین پر قبضہ کر کے اس کے موروثی مالک ہو گئے تھے۔ ان زمینداروں میں جاث، راجپوت، افغان، اور مقامی مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ۱۵۸۰ء سے لے کر ۱۶۸۰ء کی دہائیوں تک زمیندار حکومت کو اس کا مقررہ لگان دیتا تھا اور زمین پر اپنا حق رکھتا تھا۔ یہ وراثت میں اس کے خاندان میں رہتی تھی۔ اسے یہ حق تھا کہ اسے فروخت کرے یا رکھے۔

زمینداروں کی ایک دوسری صورت یہ تھی کہ وہ زمین پر اپنا حق نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ وہ ریونیو و صول کر کے اس میں سے اپنا حصہ نکال کر بقايا حکومت کو دے دیا کرتا تھا۔ ان کے علاوہ وہ زمیندار بھی تھے کہ جو خود کاشت کرتے تھے۔ یہ بھی زمین پر مالکانہ حقوق رکھتے تھے۔

چونکہ ابتداء میں زمین بہت تھی اس لئے اگر کسان کسی ایک زمیندار کی سختیوں سے نگ آ جاتا تھا تو وہاں سے جا کر کسی اور زمین کو قابل کاشت بنایا کر اس پر کاشتکاری کرنے لگتا تھا۔ اس لئے زمینداروں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسانوں کو گاؤں سے نہ جانے دیں اور انہیں وہیں کاشت پر مجبور کریں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ان کے پاس انہیں روکنے کے لئے کوئی قانون نہیں تھا۔ (۳۵)

زمیندار کسانوں پر نیکس بھی لگادیتے تھے جیسے دستار شماری، پیدائش اور شادی کے موقعوں پر، مکانوں پر نیکس یا ان سے بیگار لیتے تھے۔ (۳۶) کبھی کبھی یہ صورت حال ہوتی تھی کہ زمین گاؤں کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی اور راس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا تھا۔ (۳۷)

زمیندار اپنی شان و شوکت اور اپنی حفاظت کے لئے قلعہ، گڑھی اور حویلی تعمیر کرتے تھے۔ یہاں باقاعدگی سے ان کا دربار لگ کرتا تھا۔ یہ اپنی فوج رکھتے تھے جس میں اپنی برادری کے لوگوں کو بھرتی کرتے تھے۔ مگر اس میں دوسرے لوگ بھی آسکتے تھے۔

چونکہ زمیندار فوج رکھتا تھا اس لئے بغاوت بھی کرتا تھا اور بادشاہ کو بغاوت میں ختم کرنے میں مدد بھی دیتا تھا۔ یہ زمیندار آپس میں بھی لڑتے تھے۔ مگر انہیں کبھی بڑی سلطنت بنانے کا خیال نہیں آیا۔ صرف شیر شاہ سوری (۱۵۲۵ - ۱۵۳۰) کی ایک مثال ہے جس نے جاگیرداری سے بادشاہت کی طرف ترقی کی۔

زمینداروں کے پاس پیدل سپاہی ہوتے تھے۔ گھر سوار نہیں۔ چونکہ ان کی قوت بھی ہوتی تھی اس لئے شاہی فوج سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ غیر ملکی حملہ آوروں کو بھی اس لئے کامیابی ہوئی کیونکہ ناتفاقی کی وجہ سے دو متحد ہو کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ (۳۸)

دیہاتی زمیندار کے اپنے علاقے میں کافی اختیارات تھے۔ یہ تاجریوں پر نیکس لگاتا تھا۔ اگر اس کے علاقے میں کافی ہوتیں تو ان کا بھی نیکس وصول کرتا تھا۔ اپنے علاقے سے گزرنے والوں کو مجبور کرتا تھا کہ اسے نیکس دیں۔ یہ نیکس نقدی یا جنس کی صورت میں ہوتے تھے۔ (۳۹)

دیہاتی زمیندار کی نظام جاگیرداری میں بڑی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ اس کا ذمہ تھا کہ وہ یہ دیکھے کہ کیا اس کے علاقے میں تمام زمین زیر کاشت ہے؟ وہ کسانوں کو اس بات پر تیار کرتا تھا کہ بخروغیر کاشت زمینوں کو استعمال میں لا میں۔ مرکز اور جاگیرداروں کے لئے زمیندار کی اس لئے ضرورت تھی کہ وہ خود زمینوں سے دور رہتے تھے۔ کسانوں سے ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے زمیندار کہ جس کا تعلق لوگوں سے ہوتا تھا اور جو برادریوں سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ وہ ان کے مزاج اور حالات کے مطابق ان سے سلوک کرتا تھا۔ وہ کسانوں کے مفادات کا بھی خیال رکھتا تھا۔ نعمان صدیقی نے اس صورت حال کا تجزیہ اس طرح سے کیا ہے:

”موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں دونوں کا واسطہ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے سے رہتا تھا۔ دراصل زمیندار کا مفاد تمام تر اور بھرپور طور سے موضع کی خوش حالی اور وہاں کی اراضی سے وابستہ تھا..... ایک خوش حال موضع کا مطلب یہ تھا کہ اس کو زیادہ رقم اور خوش حالی ملے گی۔ اس

کے علاوہ کاشتکاروں میں تابعداری کا احساس بڑھ گیا تھا..... اس کی دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ درمیانی واسطہ کے طور پر مقررہ مالگذاری کی وصولیابی کر کے خزانے میں جمع کرائے۔ یہ کام ہوشیاری اور اثر کے بغیر ممکن نہیں تھا..... ان فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وہ امن و قانون برقرار رکھنے کے کام میں بھی شامل رہتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی چور یا مشتبہ، بد چلن آدمی اس کی زمینداری میں پناہ گزیں ہے تو اس کی اطلاع دینی پڑتی تھی۔ وہ کبھی کبھی فوجی خدمات انجام دینے کے لئے بھی طلب کر لیا جاتا تھا۔ ” (۳۰)

عرفان جبیب کی رائے کے مطابق مقامی زمینداروں کا یہ طبقہ استحصالی تھا کیونکہ یہ زائد مقدار پر قبضہ کر لیتے تھے اور کسانوں سے ناالصافی کے طور پر کئی نیکیں وصول کرتے تھے۔ زمین پر وراثت کے حق کی وجہ سے ان کی جڑیں گھری اور مضبوط تھیں۔ چونکہ یہ اپنی زمین، کسانوں اور پیداواری طریقوں سے واقف ہوتے تھے اس لئے ان کے استحصالی طریقے سخت ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کے مفادات صرف اپنی زمین تک محدود رہتے تھے۔ وہ صرف اپنے خاندان بکے بارے میں سوچتا تھا اس لحاظ سے اس کا وہن انتہائی تنگ تھا۔ (۳۱)

زمینداروں نے اپنی آمدی بڑھانے کے لئے عجیب و غریب طریقوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے تین نیکیں انتہائی اہم تھے: محصول راہ، محصول آمد و رفت مال، اور محصول میر بحر۔ قدیم زمانہ میں سڑکیں اور شاہراہیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ لوگ پکڑنڈیوں پر چلتے تھے۔ اس لئے زمینداروں نے یہ طریقہ نکلا کہ جو گاؤں سے ہو کر گزرتا اس سے نیکیں وصول کرتے جو ہاتھ ہلائی یا خاک اڑائی کے نام سے مشور تھا۔ یعنی پیدل چلنے والے سے ہاتھ ہلانے پر اور گاڑی والے سے خاک اڑانے پر نیکیں لیا جاتا تھا۔ جو تاجر اپنا مال لے کر گاؤں سے گزرتا تھا اسے مال کے حساب سے نیکیں دینا ہوتا تھا۔ جس گاؤں میں ندی یا دریا ہوتا اور وہاں کشتی ٹھہر تی تو اس سے بھی نیکیں لیا جاتا تھا۔ (۳۲)

لیکن زمیندار کی طاقت اور اس کے اختیارات کو بادشاہ چیلنج کرتا تھا۔ اگر وہ اپنے

فرائض پوری طرح سرانجام نہیں دیتا تھا اور ریونیو کی باقاعدہ ادائیگی نہیں کرتا تھا تو اسے معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے وفادار شخص کو مقرر کر دیا جاتا تھا۔ زمیندار کو معزول کرنے کا اختیار صرف بادشاہ کو تھا۔ اگرچہ نئے زمیندار کو معزول زمیندار کے خاندان یا برادری سے لیا جاتا تھا، مگر اورنگ زیب کے زمانہ میں مسلمان زمیندار بھی مقرر ہوئے۔ شرط یہ تھی کہ ان کے پاس فوجی دستہ ہو۔ زمیندار کو معزول اور مقرر کرنے کی وجہ سے مرکز ان پر کنشول کرتا تھا اسیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اس طرح وہ انتظامیہ کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔ (۲۳)

سلاطین اور مغل بادشاہوں نے بڑے زمینداروں کی طاقت توڑنے کی کوشش کی اور اس کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ یہ تھے کہ ان کی بڑی زمینداریوں کو نکڑوں میں کر دیا تاکہ ان کی آمدی اور طاقت دونوں گھٹ جائیں۔ ان کی زمین دوسری برادری یا قبیلہ کے آدمی کو دے دی۔ باغی زمینداروں کو معزول کیا گیا۔ اور انہیں سرکاری ملازمتیں دی گئیں تاکہ ان پر آسانی سے قابو پایا جائے۔ (۲۴) مگر ان تمام باتوں کے باوجود زمیندار کی طاقت قائم رہی۔

جب بھی زمیندار بغاوت کرتا تھا تو کسان اس کا ساتھ دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ان کی برادری سے ہوتا تھا۔ وہ ان کا محافظ اور سرپرست تھا جبکہ جاگیردار ایک غیر شخص تھا کہ جس کی صورت بھی وہ نہیں دیکھ پاتے تھے۔ زمینداروں کی بغاوتوں کو اکثر بڑی سختی اور بے رحمی سے کچل دیا گیا۔

تعلقدار

تعلقدار کا لفظ ہندوستان میں سترہویں صدی میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ اس کی ضرورت اس صورت میں ہوئی جب زمیندار نے اسے اپنی زمین کے علاوہ دوسری زمینوں سے کہ جو اس کے پاس تھیں ان کا مالیہ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا۔ یہ زمیندار کی ہدایت اور حکم کے مطابق مالیہ وصول کرتا تھا۔ لیکن جب سیاسی انتشار ہوا تو انہوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر زمینداروں سے اپنا تعلق ختم کر لیا اور ان کے حقوق خود اختیار کر لئے۔

اوہ کے نعمداروں کا طبقہ اسی طرح سے وجود میں آیا۔

کسان

زمینوں کی ایک قسم رعیتی کھلاتی تھی۔ یہاں کسان زمین کا مالک ہوتا تھا اور انتظامیہ براہ راست کسانوں سے حاب کرتی تھی۔ سلطنت کے روپیوں کا تعلق انہیں کسانوں کی زمین سے ہوتا تھا۔

باقی کسان جو مزارع اور اسامی بھی کھلاتے تھے ان کی زندگی انتہائی مفلسی اور غربت میں گزرتی تھی۔ حکومت جو نیکس زمینداروں پر لگاتی تھی وہ اسے کسانوں پر ڈال دیتے تھے۔ اس لئے جب کسان انتہائی مجبور ہو جاتا تھا تو وہ گاؤں چھوڑ کر یا تو جنگلوں میں چلا جاتا تھا یا کسی طاقتوں زمیندار کے پاس منتقل ہو جاتا تھا جو اس کی حفاظت کر سکتا ہو۔ اس عمل سے چھوٹے زمینداروں کی زمینیں تباہ ہو جاتی تھیں اور وہ خود بھی مالی مشکلات کا شکار ہو جاتے تھے۔ (۲۵) مغل دور میں کسانوں کے بارے میں یورپی سیاحوں کے مشاہدات اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک ولندیزی تاجر گولکنڈہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”یہ لوگ بے حد غریب اور مفلوک الحالی کی زندگی بر کرتے تھے۔ وصولیوں کے باعث ملک ویران ہو گیا تھا۔ مالگذاری کے باعث کسانوں کی کمائی ان کے گزارے کے لئے ہوتی تھی۔ انہیں امراء کے عیش و عشرت کے لئے محنت کرنی پڑتی تھی“ ایک اور ولندیزی تاجر گجرات کے بارے میں لکھتا ہے کہ کسان اپنی پیداوار سے محروم ہو کر گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ ایک انگریز تاجر نے سندھ کے بارے میں لکھا کہ:

”آبادی اس درجہ مظالم اور المناک افلاس میں بتلا ہے کہ باوجود یہ زمین زرخیز اور اچھی ہے اس پر اچھے قسم کی زیادہ مقدار میں نیل پیدا ہو سکتی ہے مگر ان کے پاس گھاد دینے (کاشت کرنے) اور بونے کے لئے نہ تو وسائل ہیں اور نہ حوصلہ“ (۲۶)

برنیر جو ۱۶۵۶ء سے ۱۶۵۸ء تک ہندوستان میں رہا۔ وہ یہاں کے کسانوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

”زرخیز زمین کا ایک بڑا حصہ کسانوں کی کمی کے باعث غیر مزروعہ رہتا ہے۔ ان میں سے بیشتر حاکموں کے برے بر تاؤ کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بیچارے اپنے حریص مالکوں کے مطالبات پورانہ کر سکنے کے باعث اپنے ذریعہ معاش سے ہی نہیں بلکہ اپنے بچوں سے بھی محروم کر دئے جاتے ہیں، جن سے غلاموں کے طور پر خدمت لی جاتی ہے..... دیساں توں میں بے حد ناقص طریقے پر کاشت کی جاتی ہے اور آپاٹشی کی کمی سے اس کے زیادہ حصہ میں فصل نہیں ہوتی ہے۔ آبادی کے مصائب کا صحیح نقشہ کھینچنا ممکن نہیں۔ وہ ڈنڈے اور کوڑے کے زور پر دوسروں کی منفعت کی خاطر مسلسل محنت کرتے ہیں۔“ (۳۷)

حوالہ جات

- ۱- رومیلا تھاپر: Ancient Indian Social History: Orient Longman Delhi 1978, Reprinted 1990. P.43
- ۲- ارتھ شاستر (اردو ترجمہ) کراچی ۱۹۹۱ء ص ۲۲۳
- ۳- رام شرمن شrama: سماجی تبدیلیاں: ازمنہ و سطی میں۔ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۵ء ص ۱۰
- ۴- ایضاً: ص ۱۶
- ۵- ایضاً: ص ۱۸
- ۶- ایضاً: ص ۱۹
- ۷- ایضاً: ص ۲۰
- ۸- ذی- ذی- کوکبی: An Introduction to the study of Indian History. Bombay 1956, Repirented. 1994. P.309
- ۹- المادری: الاحکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) کراچی ۱۹۶۵ء ص ۲۲۳
- ۱۰- Ira M. Lapidus: A History of Islamic Societies. Cambridge 1988. Reprinted 1991. P.75
- ۱۱- ایضاً: ص ۱۵۲ - ۱۳۶
- ۱۲- ایضاً: ص ۳۹ - ۱۲۸
- ۱۳- ضیاء الدین برلنی: تاریخ فیروز شاہی۔ لاہور ۱۹۶۹ء ص ۵ - ۱۰۳
- ۱۴- ایضاً: ص ۲۹ - ۱۲۶
- ۱۵- ایضاً: ص ۳۱۶
- ۱۶- ایضاً: ص ۳۲۳
- ۱۷- ایضاً: ص ۲۲۸
- ۱۸- ایضاً: ص ۸۲ - ۸۳ - ۳۸۳
- ۱۹- خواجہ نعمت اللہ ہروی: تاریخ خاں جہانی و مخزن افغانی۔ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۳۸
- ۲۰- ایضاً: ص ۱۳۰
- ۲۱- ایلیٹ اینڈ ڈاؤن: History of India as told by its own Historians. Vol.VI Newyork 1970-P.545
- ۲۲- محمد اشرف: ہندوستانی معاشرہ عمد و سطی میں۔ فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۰۸
- ۲۳- نعمان صدیقی: مغلوں کا نظام مالکنڈاری، لاہور ۱۹۹۰ء - ص ۱۶

Mughal Nobility Under Aurangzeb. Bombay 1970.

P.78.79.

۲۳۔ اطہر علی: ص ۷۵

۲۴۔ ایضاً: ص ۷۳

۲۵۔ ایضاً: ص ۹۰-۸۲

John F. Richards: The New Cambridge History of India: -۲۶

The Mughal Empire. Cambridge 1993. 18

۲۷۔ ایضاً: ص ۲۱-۲۲، اطہر علی ص ۸۰

۲۸۔ اطہر علی: ص ۱۰۱-۸۰

۲۹۔ رچرڈز: ص ۹۲

۳۰۔ عبد القادر بدایوی: منتخب التواریخ، حصہ سوم (انگریزی) کلکتہ ۱۹۲۶ء۔ ص ۷۷

۳۱۔ نعمان احمد: ص ۲۱-۲۰

۳۲۔ عرفان حبیب: Agrarian System of Mughal India, Bombay

1963. P.138

۳۳۔ نعمان احمد: ص ۵۲-۵۱

۳۴۔ عرفان حبیب: ص ۱۳۳

۳۵۔ ایضاً: ص ۱۵۰

۳۶۔ ایضاً: ص ۱۵۱

۳۷۔ ایضاً: ص ۱۶۵، رچرڈز: ص ۸۱

۳۸۔ رچرڈز: ص ۸۰

۳۹۔ نعمان احمد: ص ۵۷، ۵۸

۴۰۔ عرفان حبیب: ص ۲۸-۲۷

۴۱۔ سرید: مقالات سرید۔ جلد شانزدہم۔ لاہور ۱۹۳۰ء ص ۳۰-۵۳۸

۴۲۔ عرفان حبیب: ص ۱۸۰

۴۳۔ تیش چندر: Parties and Politics at the Mughal Court.

1707-40. Aligarh 1959. P.XXI

۴۴۔ نعمان احمد: ص ۳۵

۴۵۔ مورلینڈ: اکبر سے اور گنگ زیب تک (اردو) دہلی ۱۹۸۱ء ص ۵۱-۲۵۰

۴۶۔ ایضاً: ص ۲۵۱

آخری عہد مغلیہ اور جاگیرداری کا زوال

مغل جاگیرداری نظام میں اس وقت زوال آنا شروع ہوا جب سلطنت بہت زیادہ پھیل گئی اور منصب دار جاگیرداروں کی تعداد بڑھ گئی۔ اگرچہ فتوحات کی وجہ سے بہت سی نئی زمینیں بھی سلطنت میں داخل ہوئیں، مگر ان کا تناسب منصب داروں کی تعداد کے مقابلہ میں کم رہا۔ اس لئے یہ صورت حال ہوئی کہ اورنگ زیب کے آتے آتے منصب داروں کو کئی سال تک جاگیریں نہیں ملتی تھیں۔ جاگیروں کے حصول کے لئے یہ منصب دار سفارشیں کرتے، رشویں دیتے اور اپنے مفادات کے حصول و تحفظ کے لئے گروہ بندیاں کرتے۔ اس نے دربار کی صورت حال کو بدل کر رکھ دیا۔ اس مالی بحران نے منصب داروں کو صرف اپنے مفادات تک محدود کر کے رکھ دیا۔

بہادر شاہ اول (۱۷۰۱ - ۱۷۱۲) کے زمانہ میں جب جاگیروں کی ضرورت پڑی تو انہیں خالصہ کی زمینوں سے نکلا گیا۔ جب یہ بھی ختم ہو گئیں تو اس پر غور کیا گیا کہ راجپوتانہ پر قبضہ کر کے اس کی زمینوں کو بطور جاگیر دیا جائے۔ مگر اس وقت تک فوج میں اتنا دم نہیں رہا تھا کہ وہ راجپوتوں سے جنگ کر سکے، اس لئے یہ محض خیالی منصوبہ ہی رہا۔ فرخ سیر (۱۷۱۳ - ۱۷۱۹) کے زمانہ میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ کاغذات مل جاتے تھے مگر جاگیر پر قبضہ نہیں ملتا تھا (۱) اب جاگیر پر وہی قابل ہو سکتا تھا جس کے پاس فوجی طاقت ہو۔ اگر فوجی طاقت والا جاگیر پر قبضہ کر لیتا اور وہاں سے روپیہ بھی وصول کر لیتا، وہ اس کو اپنا حق سمجھتا تھا اور شاہی خزانہ کو کچھ نہیں ملتا تھا۔

اورنگ زیب کے بعد تخت کے حصول کے لئے امیدواروں میں مسلسل خانہ

جنگیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے ہر امیدوار جاگیروں کا لائق دے کر اپنے حامیوں کی فوج تیار کرتا تھا۔ ان میں سے جو بادشاہ ہو جاتا وہ اپنے حمایتوں کو نئی جاگیریں دیتا تھا۔ اس لئے محمد شاہ (۱۷۳۸ - ۱۷۱۹) کے عمد میں صورت حال یہ ہوئی کہ خالصہ کی تمام زمینیں ختم ہو گئیں۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے اختیارات اور اس کی حیثیت پر بڑا اثر پڑا کیونکہ اب وہ اپنے ذاتی اخراجات اور عملہ کی تنخواہوں کے لئے دوسروں کا محتاج ہو گیا۔ اس مالی بحران نے دربار کے انتظامات کو متاثر کیا۔ قلعہ کے عملہ کو مینیوں تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے دوسروں سے سوال کرتا تھا۔ ان حالات میں اسے کبھی مراہٹوں کا وظیفہ خوار ہونا پڑا اور کبھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحفظ میں آیا۔ مغل بادشاہ محض کٹھ پتلی بن کر رہ گیا کیونکہ اس کی آمدنی کے تمام ذرائع ختم ہو چکے تھے اور صوبوں کے عامل اور گورنر زبانی فوجی قوت کی بنا پر خود مختار ہو گئے تھے۔

اجارہ داری

جاگیرداری کے نظام کو اس بحران سے نکالنے کے لئے جاگیرداروں نے اجارہ داری کے طریقہ کو اختیار کیا۔ اس میں جاگیردار پورے سال کی آمدنی وصول کر کے کسی کو یہ اجارہ پر دے دیتا تھا۔ یہ طریقہ ابتداء میں جہانگیر (۱۶۰۵ - ۱۶۲۷) کے عمد سے شروع ہوا تھا اور شاہ جہاں (۱۶۲۸ - ۱۶۵۷) کے زمانہ تک مقبول رہا۔ مگر اس کا روایج خالصہ کی زمینیں پر نہیں تھیں۔ اس نظام سے جاگیردار کو تو فائدہ ہو جاتا تھا کہ اسے رقم یک مشت مل جایا کرتی تھی، مگر اس نے کسانوں کی حالت کو متاثر کیا جس نے کاشت کاری کو خرابی کے راستہ پر ڈالا۔ اور نگ زیب نے اس کے خلاف اقدامات کئے مگر اس کے باوجود یہ طریقہ جاری رہا۔ (۲) خصوصیت سے آخری عمد مغلیہ میں جاگیرداروں نے، سیاسی صورت حال کے تحت اس طریقہ کو اپنالیا کیونکہ اس میں ان کو نہ تو محنت کرنی پڑتی تھی اور نہ ہی ان کا مالی نقصان تھا۔ اس لئے بہادر شاہ کے زمانہ سے لے کر فرج سیر تک یہ اجارہ داری کا نظام مسحکم ہو گیا۔

اس نظام کی وجہ سے منافع خوروں اور استھصالیوں کا ایک نیا طبقہ وجود میں آیا۔ یہ

اجارہ دار یا تو مالدار زمیندار تھے یا مہاجن و ساہو کار۔ جن لوگوں نے اجارہ دار یا خریدیں انہوں نے اس نظام سے بہت منافع حاصل کیا۔ وہ بڑے بڑے زمیندار جو اس نظام کی وجہ سے دولت مند اور طاقت ور بن کر ابھرے ان میں اودھ کے تعلقدار خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (۳)

اس نظام کی وجہ سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ اگر اجارہ دار ساہو کار یا مہاجن ہے تو اس صورت میں وہ زمینداروں سے یہ مطالبہ بھی کرتا تھا کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ ریونیو وصول کر کے دیں۔ اس کی وجہ سے ان دونوں میں کشکش اور تصادم پیدا ہو گیا۔ نعلم صدقی سے اخباروں میں اس صورت حال کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”اس بے بلا استثناء زمیندار، کاشت کار، اور زمین سب کی تباہی ہو رہی تھی۔ زمیندار کو مسلسل اجارہ دار کے خطرے کا مقابلہ تھا جو ایک طرف تو مابکذاری کی وصولیاں پر حق پر جمارتا تھا۔ دوسری طرف اس کی موجودگی سے زمیندار کو مجبوراً اور کراچیتیًا اضافہ شدہ مابکذاری کے لئے آمادہ ہونا پڑتا تھا۔ جس کا نتیجہ مواضعات کی تباہی کی صورت میں سامنے نظر آتا تھا“ (۴)

اجارہ داری کے اس نظام کی وجہ سے چھوٹے زمیندار اجارہ داروں کے تقاضے پورے نہیں کر سکے اور وہ بغلس و فلاش ہو گئے۔ کسانوں نے تباہی کے پیش نظر گاؤں چھوڑ دیئے۔ یوں اس عمد میں زرعی بحران آیا کہ جس پر قابو پانے کے لئے نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی دلچسپی۔ اس صورت حال میں اس وقت مزید تبدیلی آئی جب اجارہ داروں نے اپنے حقوق کو موروثی بنالیا اور جب سیاسی انتشار ہوا تو اس میں وہ خود جاگیروں پر قابض ہو گئے اور یوں قدیمی جاگیردار یا اہل منصب اپنی جاگیروں سے محروم ہو کر معاشرے میں غائب ہو گئے۔

نظام جاگیرداری کا۔ حکومت

اس سیاسی ابتری کے زمانہ میں وہ جاگیردار باقی رہے جن کی اپنی فوج تھی اور جو جاگیر سے روپنیو وصول کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ان میں سے وہ جاگیردار زیادہ اچھی پوزیشن میں رہے جن کی جاگیریں ان کے اپنے علاقوں میں تھیں۔ یہاں اپنے مقامی اثر و رسوخ کی بنا پر انہوں نے زمینوں پر قبضہ جمائے رکھا اور باغی زمینداروں کو اپنے قابو میں رکھا۔

مرکزی حکومت کی کمزوری کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے عمدے دار قانون گو، فوجدار، چودھری، اور واقعہ نولیں کا اثر ختم ہو گیا، اس کی وجہ سے ان کا رابطہ مرکزی حکومت سے ٹوٹ گیا۔ جاگیردار پر اب کسی قسم کی نگہبانی اور نگہداشت نہیں رہی تھی، اس لئے اب اس کا کردار اور زیادہ استحصالی ہو گیا۔ اب جاگیردار کے اپنے ذاتی مفادات تھے جن کو وہ پورا کرنا چاہتا تھا۔ مرکز کی طرف سے اسے نہ تو کسی مدد کی امید تھی اور نہ ضرورت، بادشاہ کی اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اسے جاگیرے ہٹا سکتا یا اس کی جاگیر ضبط کرتا۔ اگر بالفرض محال اس کی جاگیر کسی اور کو دی بھی جاتی تھی تو دوسرے کے لئے اس پر قبضہ کرنا مشکل تھا۔ یہ قبضہ صرف جنگ کی صورت میں ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب جاگیردار کا بقا کی انحصار اس کی طاقت پر ہو گیا تو اس نے جاگیر کو موروثی بنالیا۔ (۵)

اس صورت حال سے مدد معاشر جاگیرداروں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اول تو انہوں نے زمینداری کے حقوق لئے، پھر اجارہ داری شروع کر دی اور یوں کئی زمینوں کو اپنی جاگیر میں شامل کیا۔ اس سے دولت کمالی تو انہوں نے سودی کار و بار بھی شروع کر دیا جس کی وجہ سے دیہات میں استحصالیوں کا ایک اور طبقہ پیدا ہوا۔ (۶)

اس صورت حال کی وجہ سے جاگیرداری نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ روپنیو کی زیادتی کی وجہ سے زمینداروں نے بغاوتیں کیں، ان بغاوتوں کے خاتمے کے لئے جاگیردار کو وقتیں پیش آئیں کیونکہ زمیندار جنگلات میں بھاگ جاتے تھے کہ یہاں ان کے خلاف فوجی کارروائیوں میں وقت پیش آتی تھی۔ ان بغاوتوں کی وجہ سے روپنیو کی وصولیابی میں مشکلات پیش آن تھیں کیونکہ وہ یابندی سے جمع نہیں کی جا سکتی تھی۔ (۷)

چنانچہ اس کا ایک اور نتیجہ کسانوں کی بغاوت کی شکل میں نکلا۔ یہ بغاوتیں جائز نے آگرہ میں۔ ست نامی اور سکھوں نے پنجاب میں۔ اور مرہٹوں نے دکن میں کیں۔ کسانوں کی ان بغاوتوں میں دیہاتی زمینداروں نے ان کا ساتھ دیا۔ اگرچہ یہ بغاوتیں بغیر کسی مقصد کو حاصل کئے ختم ہو گئیں، مگر انہوں نے جاگیرداری کے نظام پر کاری ضربیں لگائیں۔

ایک دوسری تبدیلی یہ آئی کہ بڑے بڑے زمیندار خود مختار ہوتے چلے گئے۔ حکومت چھوٹے زمینداروں کو تو قابو میں کر لیتی تھی، مگر بڑے زمینداروں کو قابو میں کرنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے مرکزی حکومت ان کے ساتھ نرمی کارویہ اختیار کرتی تھی۔ مقامی عمدے دار ان کے ساتھ احترام سے پیش آتے تھے۔ اس کے باوجود انہیں ریونیوکی و صولیابی میں دقتیں پیش آتی تھیں جو آہستہ آہستہ یا تو بالکل ختم ہو گئیں یا تھوڑی بہت باقی رہیں۔

سترھویں صدی کے اختتام تک مغلوں کا نظام جاگیرداری شکستہ و خستہ ہو کر ٹوٹ چکا تھا۔ نہ تو جاگیردار اب بادشاہ کا ماتحت رہا تھا اور نہ ہی ضرورت کے وقت اس کی فوجی مدد کرتا تھا۔ ان میں سے کچھ جاگیردار کبھی کبھی بطور ہمدردی یا ضرورت کے تحت بادشاہ کو بطور نذرانہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔

جاگیرداری کے اس زوال کے ساتھ مغل طاقت کا بھی زوال ہوا۔ اب مغل سلطنت اس پوزیشن میں نہیں رہی تھی کہ اپنا دفاع کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ راجپوت، افغان، جاث، مرہٹہ، سکھوں اور انگریزوں نے مغل سلطنت کے حصہ بخڑے کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ جاگیر کے اس بحران اور مالی وسائل کی کمی نے مغل دربار کی شان و شوکت کو ختم کر دیا۔ اب سماجی و ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز اودھ، دکن اور بنگال کی ریاستیں ہو گئیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ اطہر علی: *Mughal Nobility Under Aurangzeb*, Bombay, 1970. P.39-4
- ۲۔ ایضاً: ص ۸۳
- ۳۔ نعمان احمد صدیقی: مغلوں کا نظام مانگذاری۔ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۸
- ۴۔ ایضاً: ص ۲۲
- ۵۔ مظفر عالم: *The Crisis of Empire in Mughal North India*. Oxford Delhi 1986. P. 126-27
- ۶۔ ایضاً: ص ۱۱۲ - ۱۱۱
- ۷۔ ایضاً: ص ۱۱۱ - ۹۶
- ۸۔ نعمان صدیقی: ص ۵۹

نظام جاگیرداری اور صوبائی ریاستیں

مرکزی سلطنت کے ٹوٹنے کے بعد جب صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں تو انہوں نے مغلوں کے سیاسی ڈھانچہ اور نظام جاگیرداری کو بدل کر رکھ دیا۔ صوبوں کے گورنر اپنے علاقوں میں خود مختار تھے البتہ مغل بادشاہ کو قانونی طور پر تسلیم کرتے تھے۔ مگر ان کی یہ وفاداری برائے نام تھی۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی کچھ رقم اظہار فرماں برداری کے طور پر اسے بھیج دیا کرتے تھے، لیکن ان کے علاقوں میں زمیندار ان کے وفادار تھے۔ بادشاہ سے ان کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ کسان زمینداروں سے وفادار تھے۔ اس لئے ریاستوں میں عاملوں اور زمینداروں کی حکومت تھی۔

صوبائی ریاستوں میں نظام جاگیرداری کی تشکیل کا تجزیہ بنگال اور اووھہ کی ریاستوں کا جائزہ لے کر کیا جائے گا۔ اس جائزہ سے دوسری ریاستوں اور خود مختار علاقوں کے انتظام کو سمجھا جاسکے گا۔

بنگال

بنگال کا صوبہ اگرچہ بڑا ذرخیز اور آمدی والا تھا مگر یہاں کی آب و ہوا کی وجہ سے مغل منصب دار وہاں سے جانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے وہاں کی تقریبی کا مطلب سزا ہوا کرتا تھا۔ یہاں کے نظام جاگیرداری کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں پر منصب دار جاگیردار اکثر مسلمان اور غیر بنگالی ہوتے تھے جب کہ دیہاتی زمیندار مقامی تھے۔ اس وجہ سے دونوں کے درمیان فرق رہتا تھا۔ زمیندار جاگیرداروں کے حقوق اور برداشت سے مطمئن نہیں

تھے۔ ادھر جا گیرداروں کارویہ زمینداروں سے دوستانہ تھیں تھا۔ مغلوں کی دستاویزات میں ان زمینداروں کو کسانوں پر ظلم کرنے والا اور ناقابل اعتبار کہا گیا ہے۔ مگر ان اجنبی اور غیر بنگالی جا گیرداروں کے لئے ریونیوکی وصولیابی کے لئے ان پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ (۱) جس وقت مغل سلطنت کمزور ہونا شروع ہوئی تو اس وقت مرکزی حکومت نے نظام جا گیرداری کو بچانے کی خاطر اور ریونیوکی موصولی میں بہتری کی خاطر بڑے زمینداروں کو منصب داری میں شامل کر لیا تھا۔ (۲)

جا گیرداری میں اس نئی حیثیت کی وجہ سے بنگال کا زمیندار دولت اور طاقت دونوں کے اعتبار سے انتہائی اہم ہو گیا تھا۔ وہ اپنے علاقے میں شاندار حوصلی میں رہتا تھا۔ دربار لگاتا تھا اور اپنے ماتحتوں پر رعب قائم رکھتا تھا۔ چونکہ وہ دیہات میں کسانوں کے درمیان رہتا تھا اس لئے زمین اور اس کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ریونیو پابندی سے وصول کرتا تھا اور اس کا تمام ریکارڈ رکھتا تھا۔ جو کسان وقت پر ریونیو جمع نہیں کراتے تھے یہ ان پر جرمانہ عائد کرتا تھا، یا ان کو سزا میں دیتا تھا۔ قصور وار کسانوں کو جسمانی طور پر اذیتیں دی جاتی تھیں۔ (۳)

یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ بخوبی زمینوں کو قابل کاشت بنائے۔ اس کے وسیع اختیارات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بربمنوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور مذہبی امور سرانجام دینے کے لئے انہیں زمین دیا کرتا تھا۔ اکثر موقعوں پر تحفہ تھائیں دینے کا سلسلہ بھی تھا۔ بربمنوں کو جو زمین دی جاتی تھی وہ لگان سے آزاد ہوتی تھی۔ اس کے علاقہ میں اگر شادی کی بات چیت ہوتی تھی تو اس سے اجازت لینی پڑتی تھی۔

اگر کسی کو ذات برادری سے خارج کر دیا جاتا تو اس کی دوبارہ سے شمولیت کے لئے اس کی مرضی کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ بھی اس کا کام تھا کہ وہ مندر تعمیر کرائے اور وہاں پوجا پاٹ کا انتظام کرے، سڑکیں۔ کنویں، حوض بنانا، سیلاپ کی روک تھام کے اقدامات کرنا۔ جنگلوں کی صفائی اور اس کی زمین کو کاشت میں لانا، رعایا کی سرپرستی اور ان کی حفاظت کرنا یہ سب زمیندار کی ذمہ داریاں تھیں۔ (۴)

چونکہ زمیندار اس قدر با اختیار اور طاقت ور تھا اس لئے کسانوں کی وفاداری جاگیردار کے بجائے اس سے ہوتی تھی۔ وہ ان کے درمیان اور ان کی پہنچ میں تھا۔ اس لئے جیسے جیسے مرکزی حکومت کمزور ہوتی گئی اس طرح سے مقامی وفاداری بڑھتی گئی اور زمیندار کی طاقت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان اختیارات کا استعمال جماں زمیندار نے کسانوں کے مفاد میں کیا وہاں ان کے ذریعہ اس نے ان کا استحصال کر کے انہیں پس ماندہ بھی رکھا۔

مرکزی حکومت کی کمزوری کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۷۱۳ء کے بعد سے مغل بادشاہ نے بنگال میں منصب داروں کو بھیجا بند کر دیا تھا۔ (۵)

مرشد قلی خاں (وفات ۱۷۲۷ء) جو اورنگ زیب کے زمانہ میں بنگال کا ناظم مقرر ہوا تھا اور انتشار کے زمانہ میں اس نے خود مختاری اختیار کر لی تھی۔ اس نے بنگال میں جاگیرداری نظام کی تشكیل نوکی۔ اس کو یہ تجربہ ہو گیا تھا کہ مقامی زمیندار ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتا ہے اور ریونیو کی وصولی میں کوئی زیادہ مدد گار ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ حل نکلا کہ چھوٹے زمینداروں کو ختم کر کے بڑے زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کیا جائے کیونکہ اس صورت میں اسے صرف انہیں کو قابو میں رکھنا ہو گا۔ اس لئے اس نے بڑے زمینداروں کی ہمت افزائی کی کہ وہ اپنے ہمسایہ کے چھوٹے زمینداروں کی زمینوں پر قبضہ کر لیں۔ اس سے اس کا حمایتی طبقہ پیدا ہوا کہ جو مقامی بھی تھے اور ہندو بھی۔ مگر اس کے وفادار، چنانچہ اٹھارویں صدی میں بنگال میں پندرہ بڑے جاگیردار تھے جو ۶۰ فیصد ریونیو وصول کرتے تھے۔ یہ راجہ کا خطاب رکھتے تھے۔

بردوان، دیناج پور، راجشاہی، اور ناؤیا۔ (۶)

بنگال کے ان بڑے زمینداروں کی دلچسپی زمین کی کاشت اور اعلیٰ معیار زندگی کو برقرار رکھنے میں تھی۔ ان کے فوجی عزائم نہیں تھے جیسے کہ جائوں، مراہشوں، اور دکن کے زمینداروں کے تھے۔ اس لئے بنگال کے ناظم اور زمینداروں میں دوری رہی۔ کیونکہ جب بھی باہر سے حملہ آوروں کے خلاف ان کی مدد کی ضرورت ہوتی یہ کم ہی ایسے موقعوں پر امداد دیتے تھے۔ اس لئے ۱۷۳۲ء سے ۱۷۵۱ء تک بنگال پر مراہشوں کے حملوں میں ناظم بنگال

نے تنہا ہی ان کا مقابلہ کیا۔ اس وجہ سے مغلوں کا نقطہ نظر ان کے خلاف تھا۔ سید المتأخرین کے مصنف نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ انتہائی بے وفا، تنگ نظر، دھوکہ دینے اور وقت پر ساتھ چھوڑنے والے ہوتے ہیں۔ یہ جب بھی اپنے آقا کو مصیبت میں دیکھتے ہیں اس سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں، اور اس کے تمام احسانات بھول جاتے ہیں۔ ان کے اس مزاج اور رویہ کے سبب اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے ساتھ ہمیشہ سختی کا سلوک کیا جائے۔ (۷)

بڑے زمینداروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے مرشد قلی خاں نے یہ رسم شروع کی تھی کہ سال میں ایک مرتبہ تمام زمینداروں کو دربار میں بلا تھا تاکہ ان سے سالانہ حساب کتاب لیا جائے۔ یہ پوری نہ کھلا تھا۔ یہاں وہ وفادار زمینداروں کو خلعت دیتا اور انہیں دعوت میں شریک کرتا تھا۔ اس کے بدله میں وہ ان سے نذرانہ وصول کرتا تھا۔ بعض اوقات نذر کی رقم کر دی جاتی تھی۔ یہ رسم بعد کے ناظمین نے بھی جاری رکھی اور نذر کو آمدن کا ایک ذریعہ بنالیا۔ مثلاً علی وردی خاں نے ناذیا کے زمیندار راجہ سے بارہ لاکھ کی رقم مانگی جب اس نے انکار کیا تو اسے قید کر دیا۔

مرشد قلی خاں ان زمینداروں پر انتہائی سختی کرتا تھا جو کہ ریونیو کی پوری ادائیگی نہ کر پاتے تھے، ان سزاویں میں انہیں قید کرنا، کھانا پانی بند کر دینا، درخت سے باندھ کر الثاٹ کانا، سردی میں برہنہ کر کے ان پر پانی چھڑ کنا اور گندگی سے بھرے گڑھوں میں پھینک دینا شامل تھا۔ ان سزاویں کے علاوہ دوسری سزاویں میں ان کی مراعات کو چھین لینا ہوتا تھا جیسے پاکی کی سواری بند کر دینا۔ اور زبردستی مسلمان بنانا۔ باغی زمینداروں کے خلاف فوجی کارروائی بھی کی جاتی تھی۔ (۸)

بنگال کا ناظم اس طرح انعامات و عطیات اور سزاویں دے کر زمینداروں کو اپنا وفادار رکھتا تھا۔ مگر ان کے تعلقات کی بنیاد کسی گمری و فاداری پر نہیں تھی۔ بلکہ مفادات کے تحت ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زمیندار موقع کا منتظر رہتا تھا کہ اسے جب بھی موقع ملے وہ بغاوت کر دے۔ بڑی زمینداریوں کی وجہ سے ان کی طاقت بھی بڑھ گئی تھی اور وہ ناظم سے مکر لے سکتے تھے۔

جب بہان الملک (۱۷۳۹ - ۱۸۲۲ء) اودھ کا صوبیدار بناتواں وقت یہاں پر ان امراء کی جاگیریں تھیں جو یا تو دربار میں رہتے تھے یا دوسرے صوبوں میں۔ روینیو کی وصولیابی ان کے کارکن کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان عاملوں اور کارکنوں پر جاگیرداروں کا کوئی کنٹرول نہیں تھا اس لئے وصول یابی کی رقم پر خود ہی غصب کر لیتے تھے۔ جب بہان الملک نے صوبیداری سنبھالی تو اکثر جاگیرداروں نے اس کے ذریعہ اپنے عاملوں سے رقم وصول کی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس نے سب سے پہلے تو یہ قدم اٹھایا کہ جاگیر کے عاملوں کو اپنے تسلط میں لیا۔ اس کے بعد اس نے یہ اقدامات کیے کہ کوئی بڑا جاگیردار اودھ میں نہ رہے کیونکہ وہ اس کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنی زندگی میں تو اس کام کو پورا نہیں کر سکا مگر اس کے جانشین صدر جنگ (۱۸۵۳ - ۱۷۳۹ء) نے اپنے زمانہ میں غیر حاضر اور بڑے جاگیرداروں کا اودھ سے خاتمہ کر دیا۔ ۹۔

اس طرح بڑی جاگیریں نواب اور اس کے خاندان میں آگئیں۔ اب نواب نے جو جاگیریں دیں ان میں ایک قسم تو وہ تھی جو خاص مصاحبین اور قریبی لوگوں کو دی گئیں، یا مذہبی رتبہ کی وجہ سے جاگیریں دی گئیں۔ ان جاگیروں پر نواب کا حق تھا اور وہ کسی وقت بھی ان پر قبضہ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ بہت سے معاملات میں ہوا۔ ۱۰۔

جاگیرداروں کو اوپر سے ختم کرنے کے بعد اودھ کے صوبیداروں نے اس پالیسی کو اختیار کیا کہ زمینداروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے جائیں۔ اس پالیسی کے تحت بڑے زمینداروں کو مراعات دے کر انہیں حمایت بنایا گیا۔ اس مقصد کے لئے انہیں انتظامی اختیارات بھی دیے گئے اور ان سے فوجی امداد بھی طلب کی گئی۔ مگر ساتھ ہی میں اس بات کا بھی خیال رکھا کہ انہیں طاقت ور نہیں ہونے دیا جائے۔

آگے چل کر نوابی دور میں اودھ کے دربار اور زمینداروں کے درمیان دوری کو برقرار رکھا گیا۔ اگرچہ وہ اپنے علاقوں میں طاقت ور تھے مگر ان کا تعلق دربار کی ثقافتی زندگی

سے کوئی نہیں رہا تھا۔ دونوں میں شفاقتی طور پر گری خلیج حائل تھی، اس وجہ سے وہ دربار میں کم آتے تھے۔ ایک تو انہیں یہ ڈر رہتا تھا کہ ان سے واجبات کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کے عوض انہیں یہ غمال بنالیا جائے گا۔ دوسرے وہ نواب، مصاحبین اور شریوں کے ادب آداب سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے خود کو شر میں اجنبی سمجھتے تھے۔ اگر کوئی زمیندار شر میں آتا بھی تھا تو پہلے وہ کسی بااثر امیر اور مصاحب کی ضمانت لے لیتا تھا۔ دربار کے عمدے دار اور انتظامیہ نہیں چاہتی تھی کہ نواب اور زمیندار کی ملاقات ہو، کیونکہ وہ اسے دور رکھ کر اسے اپنے اثر میں رکھنا چاہتے تھے۔ ایک انگریز ریز یڈنٹ نے اس صورت حال کے بارے میں لکھا کہ یہاں یہ روایت ہے کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کو بادشاہ سے ملاقات نہیں کرنے دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انہیں دربار کی حدود تک میں نہیں آنے دیا جاتا ہے، اکثر انہیں دھمکی دی جاتی ہے کہ اگر وہ لکھنؤ سے نہیں گئے تو انہیں سخت سزا دی جائے گی۔ زمینداروں کا ایک گروہ جو بادشاہ کی سواری کے وقت اس سے ملنے کے لئے جمع تھا تاکہ عامل کے خلاف اپنی شکایات پیش کر سکے۔ اس کو بادشاہ کے مصاحبین نے نہ صرف بھگا دیا بلکہ ان میں سے کچھ کو پکڑ کر انہیں کوڑے مارے گئے۔ ساتھ ہی میں ایک فرمان جاری کیا گیا کہ جس میں حفاظتی دستوں کو تاکید کی گئی کہ وہ دیہات سے آنے والے مدعاوں کو شر میں نہ آنے دیں۔ ۱۱۔

ان چھوٹے زمینداروں کے مقابلہ میں اودھ کے تعلقداروں کا طبقہ انتہائی طاقت ور تھا۔ ان تعلقداروں کے خاندانوں نے اودھ میں ۱۲۰۰ء سے ۱۳۰۰ء کے درمیان فتوحات کر کے زمینوں پر قبضہ کیا تھا۔ ان میں سب سے پہلے وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں سے شکست کھلائی تھی اور یہاں آکر آباد ہو گئے تھے، یہاں انہوں نے مقامی قبائل کو لڑ جھکڑ کے بھگا دیا اور ان کی زمینوں پر قبضہ کے علاوہ یہاں کے بخرب زمینوں کو بھی کاشت کے قابل بنایا۔ یہ زمینیں ابتداء میں برادری کی ملکیت ہوتی تھیں۔ بعد میں ان پر خاندانوں کا قبضہ ہو گیا۔ چونکہ خاندان کے سربراہ کی منصب نہیں ہوتی تھی اس لئے انہیں ایک ہی فرد کے پاس رہتی تھی اور تقسیم نہیں ہوتی تھی۔ جو راجپورت مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے بھی ان ہی روایات پر اپنے قدیمی حقوق کو برقرار رکھا۔ اپنے ان قدیمی حقوق کی وجہ

سے تعلقدار خود کو ان زمینوں کا جائز وارث مانتے تھے اور سرکار سے بھی ان حقوق کی تصدیق چاہتے تھے۔ ۱۳۔

اوہ کے یہ تعلقدار ریاست کی طاقت کو کم ہی خاطر میں لاتے تھے۔ اوہ کے دربار کے احکامات کی تعیل جب ان کی مرضی ہوتی تو کرتے تھے ورنہ نہیں، چونکہ ان کی اپنی فوج ہوتی تھی۔ حفاظت کے لئے قلعے و گڑھیاں ہوتی تھیں اس لئے یہ اپنا دفاع خوب کرتے تھے اور کسی بھی صورت میں زمین پر سے اپنا حق نہیں چھوڑتے تھے۔ مثلاً پرتاپ گڑھ کے ایک راجہ کو حکومت نے چار بار نکالا مگر ہر بار وہ دوبارہ اپنے علاقے پر قابض ہو گیا۔ ۱۳۔

نواب سعادت علی خاں (۱۸۱۳ء - ۱۸۹۸ء) کے بعد انسوں نے اپنے ہمسایوں کے گاؤں پر قبضہ کر کے اپنا علاقہ بڑھایا تھا۔ جب انگریزوں نے اوہ پر قبضہ کیا تو اس وقت تین سو تعلقدار تھے جن کے پاس اوہ کے دو تماں گاؤں تھے۔ یہ ریاست کو محض طاقت کے زور پر ریونیوریتے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں برطانوں کے قبضہ کے وقت تعلقداروں کے ۶۲۳ قلعے تھے جن کے ارد گر گھنے جنگل تھے جس کی وجہ سے ان کا محاصرہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور نہ ہی ان کی رسکو رو کا جاسکتا تھا۔ اگر ان کے قلعوں یا گڑھیوں پر قبضہ ہو جاتا تو یہ بھاگ کر جنگلوں میں روپوش ہو جاتے تھے کہ جماں ان کا تعاقب کرنا مشکل ہوتا تھا۔ ۱۳۔

نوابی عمد میں برطانوی مُنتظمین کا رویہ ان تعلقداروں کی جانب جارحانہ تھا۔ وہ بحثتے تھے کہ یہ کسانوں کے حقوق غصب کرنے والے اور ان کی محنت کی کمائی کو مفت میں اڑائے والے ہیں۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ انہیں ختم کر کے یا تو دیہاتی زمینداروں یا کسانوں سے براہ راست ریونیو وصول کیا جائے۔ اس مقصد کے تحت انسوں نے ۱۸۵۶ء میں کچھ قوانین بھی وضع کیے تھے جن کی وجہ سے تعلقداروں کا ایک طبقہ اپنی زمینوں سے محروم ہو گیا تھا۔ ابھی وہ اپنی اس پالیسی کو عملی شکل نہیں دینے پائے تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہو گیا۔

آخری عہد مغلیہ کا جائزہ

آخری عہد مغلیہ میں صورتحال خراب ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ان کا منصب داری نظام ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اب مم جو سرداروں، راجاؤں اور نوابوں نے لے لی تھی۔ ان فوجی مسم جوؤں نے اپنی فوجی طاقت کے بل بوتے پر جگہ جگہ اپنی خود مختار جاگیریں بنالیں تھیں اور اپنی جاگیروں کی توسعہ کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ مغل بادشاہ کے پاس براۓ نام طاقت تھی۔ اس لے جب کوئی کسی علاقہ پر قبضہ کرتا اور بادشاہ کو نذر پیش کر کے اس پر قبضہ کی منظوری مانگتا تو بادشاہ یہ منظوری بغیر کسی حیل و جحت کے اسے دے دیتا تھا، جس کے بعد سے اس کی حیثیت قانونی ہو جاتی تھی۔

ایک اور تبدیلی جو اس دور میں آئی وہ یہ تھی کہ اب جاگیردار اپنی جاگیروں پر رہنے لگے۔ کیونکہ دربار کی حیثیت ختم ہو گئی تھی اور اب اسے وہاں اپنے اثر و رسوخ کے لئے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی موجودگی جاگیر میں اس وجہ سے ضروری تھی کہ اس کے بغیر نہ تو وہ ریونیو وصول کر سکتا تھا اور نہ ہی جاگیر کی حفاظت۔ اس کی وجہ سے اس کا تعلق نہ صرف علاقہ کے زمینداروں اور کسانوں سے ہوا، بلکہ اس نے علاقہ کی ترقی میں بھی حصہ لیا۔ چنانچہ ان جاگیرداروں نے اپنے شر آباد کیے جیسے نجیب خان نے نجیب آباد، مرزا نجف خان نے نجف گڑھ اور بیگم سرو نے سردارانہ وغیرہ۔ ۱۵

جاگیرداروں کے اس طرح سے پھیلنے اور قبصوں میں رہائش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں شفاقتی سرگرمیاں دربار سے نکل کر چھوٹے چھوٹے شروعوں میں پھیل گئیں جس نے ایک نئے قصبائی کلھر کو پیدا کیا۔ اس کے فروع کی وجہ سے لوگوں میں علاقائی شناخت کا جذبہ ابھرا، جوان کے لئے باعث فخر بن گیا۔

ریاست کو ٹوٹنے اور اداروں کے زوال پذیر ہونے کا سب سے برا اثر کسانوں اور کاشتکاروں پر پڑا جواب مکمل طور پر جاگیرداروں اور زمینداروں کے تسلط میں آگئے۔ اس سے پہلے مرکزی حکومت کے نمائندے جاگیروں میں ہوتے تھے جو اس بات کا خیال رکھتے

تھے کہ کسانوں پر ظلم نہ ہوا اور ان سے ضرورت سے زیادہ ریونیو و صول نہیں کیا جائے۔ اب یہ عمدے دار ان کی راہ سے ہٹ گئے اور جاگیردار اپنے علاقہ میں خود مختار ہو گیا۔ انہیں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے سریسید لکھتے ہیں کہ:-

رعایا کے حقوق کی حفاظت کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا، اور تمام کاشتکار زمینداروں کے یا عاملوں اور چکلہ داروں کے غلام تھے، اور جو کچھ ظلم اور زیادتی زمیندار اور عامل اور چکلہ دار ان پر کرتے تھے اس کا کوئی فریادرس نہیں تھا، اور کاشت کاروں کی جان و مال اور ان کے حقوق، ظالم زمینداروں، اور عاملوں اور چکلہ داروں کے ہاتھ میں تھے اور وہ جس کاشت کار کی چاہتے تھے حق تلفی کر دیتے تھے، اور اس کو موروثی کاشت کو جس پر وہ قبضہ رکھنے کا مستحق تھا چھین لیتے تھے اور اس کے کھیت کی تمام پیدا کو لوٹ لیتے تھے۔ ۱۶۔

اس دور کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں مہاجن اور بینیوں کا طبقہ جو سودی کاروبار کرتا تھا اس کا کردار اور زیادہ ابھر گیا۔ کیونکہ اس لوٹ کھوٹ میں کسانوں کی مالی حالت بدتر ہو گئی اور اخراجات کے لئے انہیں جب روپیہ کی ضرورت پڑی تو وہ یہ قرض مہاجن اور بننے سے لے لیتے تھے۔ یہ کاشتکاروں اور زمینداروں دونوں کو سود پر روپیہ فراہم کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا کام یہ بھی تھا کہ یہ گاؤں کی پیداوار خرید کے اسے منافع کے ساتھ فروخت بھی کرتے تھے۔ مہاجنوں اور بینیوں کا یہ طبقہ زمینداروں کو اپنی حمایت میں لے کر کاشتکاروں سے سود وصول کرتے تھے۔ سودی رقم وصول کرنے کے کئی طریقے تھے۔ ڈانٹ ڈپٹا، دھونس اور طاقت کا استعمال۔ اس میں سے ایک طریقہ دھرنا تھا یہ مقروض کے دروازے پر اپنے آدمی بٹھا دیتے تھے اور کس کونہ گھر کے اندر جانے دیتے تھے اور نہ باہر۔ اس صورتحال سے ٹنگ آ کر مقروض جس طرح سے بھی ہوتا اس کا سود اور قرضہ چکاتا تھا۔ ۱۷۔

”مہاجن اور بقالی دیہات میں ایسے مسلط تھے کہ غریب کاشتکاروں کی محنت اور ان کے کھیت کی پیداوار درحقیقت مہاجنوں اور بقالوں کے گھر جاتی تھی۔“

کاشت کار نہایت محنت سے زمین جوتتے تھے اور خوش ہوتے تھے مگر سب
غلہ زمیندار اور مہاجن اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں زمینداروں کا تو
وہ زور نہیں رہا مگر مہاجن اور بقالوں کا ویسا ہی قابو ہے۔ پیداروار اور محنت
کاشتکاروں کی مہاجنوں کے گھر جاتی ہے اور کاشتکار کھانے کے غلہ کے لئے
بھی مہاجنوں اور بقالوں کے محتاج رہتے ہیں۔ ۱۸۔ ”

سیاسی زوال نے دیہات میں امن و امان کے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ زمینداروں نے
لوٹ مار کی غرض سے چوروں اور ڈاکوؤں کی سرپرستی کرنی شروع کر دی تھی۔ اکثر یہ خود
بھی ان ڈاکو میں ملوٹ ہوتے تھے ورنہ ان کے علاقہ کے ڈاکوانہیں مال غنیمت میں سے حصہ
دیا کرتے تھے۔ اس لئے اس زمانہ میں شاہراں محفوظ نہ تھیں اور قافلے بغیر فوجی دستوں کی
حفاظت کے ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جاسکتے تھے۔ اس کی وجہ سے تجارت پر اثر پڑا
تھا۔ ۱۹۔

اس جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظام جاگیرداروں جو مغلوں کے ابتدائی عمد
میں تشکیل دیا گیا تھا وہ وقت کے ساتھ بدلتا رہا اور ان کے آخری دور میں جاگیردار خود مختار
اور موروثی ہو گیا تھا۔ یہ صورت حال سیاسی انتشار کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے جب
برطانوی اقتدار یہاں قائم ہوا تو انہیں اس نظام کو تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ یہ
اس صورت میں اپنی افادیت کھو چکا تھا۔

حوالہ جات

- Mcleane J.R.: Land and Local King ship in Eighteenth Century Bengal. Cambridge, 1993. p 11
 ۱- ایضاً ص- ۱۱
- ۲- ایضاً ص- ۱۳، ۱۴
- ۳- ایضاً ص- ۱۵
- ۴- ایضاً ص- ۳۶
- ۵- ایضاً ص- ۳۷، ۳۸
- ۶- ایضاً ص- ۲۷، ۳۱-۳۲
- ۷- ایضاً ص- ۲۵، ۲۹، ۵۱، ۷۲، ۱۱۱
- ۸- ایضاً ص- ۳۵
- ۹- مظفر عالم: The Crisis of Empire in Mughal North India. Oxford, Delhi 1986. P210
- ۱۰- M.A. Fisher: The Clash of Culture. Delhi, 1987. P.223-4
- ۱۱- ایضاً ص ۳۸
- ۱۲- ایضاً ص ۳۵
- ۱۳- T.R Metcalf: Land, Landlords and the British Raj. Uni. of California, 1978. P. 31-32.
- ۱۴- P. Spear: A History of Delhi Under the Later Mughals. Delhi (Reprinted) 1990. P.126.
- ۱۵- سرید: مقالات سرید حصہ شانزدہم - لاہور ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۲۷
- ۱۶- ایضاً ص- ۵۵۰
- ۱۷- ایضاً ص- ۵۵۱
- ۱۸- ایضاً ص- ۵۳۷

جاگیردار اور برطانوی راج

انگریزوں نے اقتدار میں آنے کے بعد ہندوستان کے زراعتی نظام میں تبدیلیاں کیں اور ہندوستان کے اس روایتی نظام کو ختم کیا جس کے تحت گاؤں کی برادری کا زمین پر حق ہوتا تھا۔ انہوں نے زمین کی ملکیت کو دو طرح سے تقسیم کیا ایک تو جاگیرداروں کا طبقہ جنہیں سوروثی طور پر زمین الاث کی گئیں۔ دوسرے وہ کسان جو جن زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے۔ یہ زمینیں انہیں کو دے دیں۔

جاگیرداروں کا ایک مستقل طبقہ لارڈ کارنوالس کے کے بندوبست دوامی کی وجہ سے پیدا ہوا جو اس نے بنگال، بہار اور اڑیسہ میں ۱۸۹۲ء میں نافذ کیا تھا۔ اس کے ذہن میں انگلستان کا فیوڈل ازم تھا کہ جس میں فیوڈل لارڈز کا طبقہ حکومت کا اہم ستون ہوا کرتا تھا۔ اس لئے وہ ایک ایسا ہی طبقہ ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتا تھا کہ جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کی اساس ہو۔

جاگیرداروں کا یہ طبقہ ان اجارہ داروں کی وجہ سے پیدا ہوا کہ جنہیں بنگال کے نوابین نے ریونیو کی وصولیابی کاٹھیکہ دیا تھا۔ ان کو دوامی نظام کے تحت مستقبل جاگیردار بننے کا موقع ملا گیا۔

اس نظام میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفادات کو تحفظ ملتا تھا۔ کیونکہ انتظامی طور پر کمپنی کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ جاگیرداروں کے ایک طبقہ سے ریونیو وصول کرے اور کسانوں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اس کے علاوہ چند ہزار جاگیرداروں پر آسانی سے تسلط کو بھی قائم رکھا جاتا تھا۔

نئی برطانوی حکومت کو اپنی حمایت کے لئے ایک ایسے اثر و رسوخ والے طبقہ کی ضرورت تھی جو ان کے اور عوام کے درمیان وسیلہ و رابطہ کا کام دے۔ اس لئے خیال کیا گیا کہ ایک ایسا طبقہ جو اپنی جائیداد اور مراعات کے لئے ان کا مرہون منت ہو وہ ان کی حکومت کے استحکام میں ان کا ساتھی بن سکے گا۔ اس کی وضاحت گورنر جنرل ولیم بینگ (۱۸۲۸ - ۱۸۳۵) نے اس طرح کی تھی:-

اگر مقبول عام بغاوتوں اور ہنگاموں کو روکنے کے لئے کسی تحفظ کی ضرورت ہے تو میں کہوں گا کہ دوامی بندوبست کا نظام جو کئی لحاظ سے ناکام ہو گیا ہے، مگر پھر بھی سلطنت کے مفاد کے لحاظ سے اہم ہے۔ کیونکہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس نے ایک ایسے جاگیردار طبقہ کو پیدا کیا ہے کہ جس کا مفاد اس میں ہے کہ برطانوی حکومت کا یہاں مستقل قیام رہے۔ اس کے علاوہ ان کا اثر و رسوخ اپنے لوگوں پر بھی ہے۔ (۱)۔

مزید برآں برطانوی حکومت نے چھوٹے چھوٹے راجاؤں، نوابوں اور سرداروں کو بھی جاگیرداروں میں تبدیل کر دیا اور یہ خود پسلے خراج دیتے تھے اب اسے ریونیو کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی خود لے لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے راجوڑے بڑے جاگیرداروں کے تسلط میں آگئے جنہوں نے کسانوں کی محنت کو اپنی عیاشیوں پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔

برطانوی حکومت نے اپنے ایسے افراد کو بھی جاگیریں دیں کہ جنہوں نے ان کی حکومت کے قیام اور استحکام میں ان کی مدد کی تھی۔ چنانچہ غدر میں جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا انہیں زمینوں میں سے حصہ دیا گیا کہ جو مخالفوں کی زمینوں پر قبضہ کے بعد حکومت کے پاس تھیں۔ (۲)۔ اپنے عمد میں برطانوی حکومت ان ہندوستانیوں کو جاگیروں سے نوازتی رہی جنہوں نے ہندوستان کی جنگوں اور افغانستان و برما کی لڑائیوں میں ان کی خدمات سرانجام دیں تھیں۔ زمینیں دینے کی یہ پالیسی ان عمدے داروں کے ساتھ بھی تھی کہ جو ان کی انتظامیہ میں تھے۔ اس طرح سے انہوں نے نئے جاگیردار طبقے کی صرف تشكیل ہی نہیں کی بلکہ اسے مسحکم اور مضبوط بھی ہنایا۔

اپنے ابتدائی دور حکومت میں برطانوی حکمرانوں کے لئے ایک اہم سوال یہ تھا کہ کس طبقہ کو اہمیت دی جائے اور کس طرح سے اس سے مدد حاصل کی جائے؟ ان دو طبقوں میں تاجروں اور جاگیرداروں کے درمیان فیصلہ کرنا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دنوں میں انہیں مقامی تاجروں کی طرف سے اپنا اثر و رسوخ بڑھانے میں مدد ملی تھی۔ کیونکہ کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے مقامی تاجروں کو یہ موقع ملا تھا کہ وہ ان کے گماشتوں کی حیثیت سے کام کریں۔ ان کے جمازوں میں اپنا سامان ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اور باہر کے ملکوں میں بھیجیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کمپنی کے ساتھ مل کر تجارت بھی کی جس کی وجہ سے ان کے اور کمپنی کے تجارتی مفادات ایک ہو گئے تھے۔ بنگال میں پلاسی کی جنگ کے وقت وہاں کے تاجروں نے کمپنی کا ساتھ دیا تھا کیونکہ نواب سراج الدولہ سے زیادہ کمپنی ان کے مفادات کو پورا کر رہی تھی۔ جگت سیٹھ اور سیٹھ امی چند اس کی مثالیں ہیں۔

مگر جب کمپنی نے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تو اب انہیں تاجروں سے زیادہ جاگیرداروں اور زمینداروں کی حمایت کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اب ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تجارت نہیں بلکہ روپیہ تھا۔ جاگیرداروں اور زمینداروں کی حمایت کی اس لئے بھی ضرورت تھی کیونکہ ان کا اثر دیساتی آبادی پر تھا اور وہ ان کے ذریعہ رعیت کو کنٹرول کر سکتے تھے۔ اس کے بر عکس تاجروں کو اس لحاظ سے معاشرہ میں اتنا اثر و رسوخ نہیں تھا، نہ ہی زراعتی معاشرے میں ان کا سماجی رتبہ بڑھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تاجر ایک جگہ نہیں رہتے تھے بلکہ گھومنتے رہتے تھے، اس لئے ان کو دیساتی آبادی پر کنٹرول کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے یہ برطانوی مفاد میں تھا کہ جاگیردار طبقہ کو نہ صرف برقرار رکھا جائے بلکہ اس کی جزوں کو مضبوط بنایا جائے۔

وہ جاگیردار طبقے کی پس ماندگی، کابیلی اور فضول خرچی سے بھی واقف تھے، اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ اس طبقہ کو فعال اور متحرک بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہیں حکومت کی ملازمتیں دی گئیں۔ ان کے لئے اسکول و کالج کھولے گئے اور انہیں حکومت میں شرک کیا گیا تاکہ وہ کسی قابل ہو سکیں اور حکومت کے لئے مفید بن سکیں۔

بنگال کا نیا جاگیرداری نظام

انگریزی انتظامیہ کا خیال تھا کہ اگر جائداد محفوظ ہو ادا اور اشت میں ملتی رہے تو اس سے خاندان کا تعلق جائداد سے ہو جاتا ہے۔ چونکہ جائداد اس کی معاشی و سماجی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ اس لئے وہ اب بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے اگر جاگیرداروں کو موروثی کر دیا جائے گا تو یہ حکومت کو پابندی سے ریونیو دیں گے اور اپنی جائدادوں کو بہتر بھی بنائیں گے۔ اس لئے ابتداء میں ۱۸۹۰ء میں دس سالہ ریونیو کے نظام کو شروع کیا اور پھر ۱۸۹۳ء میں دوامی بندوبست راجح کیا۔ اس نظام کے تحت جاگیردار کو ایک مقررہ رقم بطور ریونیو حکومت کو دینی ہوتی تھی۔ اگر وہ یہ رقم وقت پر ادا نہیں کر پاتا تھا تو اس صورت میں اس کی اتنی زمین فروخت کر دی جاتی تھی جو واجبات کی وصولی کے لئے کافی ہو۔ اس نے نظام میں جاگیردار کو مشکل پیش آنے لگی۔ کیونکہ اگر سیالب آتے، فصلیں خراب ہوتی، یادوں کی اور فطری آفت کا شکار ہوتے اور کسانوں سے ریونیو وصول نہیں کر پاتے، تو حکومت ان کی مشکلات کو نہیں دیکھتی تھی اور اپنی مقرہ شدہ رقم کی وصولیاً چاہتی تھی۔ اس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے جاگیردار تو بہت جلد ختم ہو گئے مگر بڑے جاگیرداروں کے خاتمه کا سلسلہ آہستہ آہستہ ہوا۔

جب ان زمینوں کی فروخت شروع ہوئی تو ان کو خریدنے والے آدھے تو وہ کارندے تھے جو کہ ان زمینوں پر کام کرتے تھے اور جاگیرداروں کی لاپرواہی سے فائدہ اٹھا کر غبن کرتے تھے۔ ان کے پاس پیسہ تھا جس سے انہوں نے زمینیں خریدیں اور یوں ان کے مالک بن گئے۔ ان کے علاوہ شروع کا بورڈوا طبقہ تھا جو تجارت کے ساتھ ساتھ زمینوں میں بھی روپیہ لگا رہے تھے۔ بیگور کا خاندان بھی ان ہی میں سے تھا جو اس نظام کی وجہ سے نئے جاگیردار بننے تھے۔ اس کی وجہ سے ۱۸۹۳ء کے بعد بنگال میں تیس نئے بڑے جاگیردار پیدا ہوئے۔ قدیمی جاگیرداروں میں چھ بڑے جو کہ بنگال کا آڈھار ریونیو دیا کرتے تھے ان میں سے صرف بردوان کا جاگیردار ایسا تھا جو اس نظام کی سختیوں کو برداشت کر سکا اور انیسویں صدی تک باقی رہا، ورنہ دوسرے تمام خاندان ختم ہو گئے (۳)۔

دوامی بندوبست کی خرابیاں بہت جلد منظر عام پر آنے لکھن۔ کیونکہ ایک تو اس کی وجہ سے بڑے جاگیرداروں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسرے یہ نظریہ رد ہو گیا کہ موروثی جائداد میں زیادہ عمدگی کے ساتھ ریونیو کی وصولیابی کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہوا وہ اس کے بر عکس ہوا۔ جاگیرداروں کو جب جائداد کا تحفظ ملا تو انہوں نے اس کی بہتری کی طرف توجہ دینی چھوڑ دی اور اپنی دولت عیاشی و فضول خرچی میں صائم کرنی شروع کر دی، جس کی وجہ سے وہ دیوالیہ ہو گئے، حکومت کی رقم ادائیگی کر سکے، اور ان کی زمینوں کی نیلامی ہو گئی۔

اس طرح اس نظام میں مختی اور کام کرنے والے لوگ بچے۔ جن لوگوں نے جائداد کا انتظام نہیں سنھالا وہ ختم ہو گئے۔ زمینوں کی نیلامی اور خرید و فروخت کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کا حل حکومت نے عدالتی نظام کو نافذ کر کے نکلا۔ عدالتی نظام کی وجہ سے تبدیلی یہ آئی کہ پہلے جاگیردار و زمیندار کسانوں پر تشدد کرتے تھے اب عدالتی نظام سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے عدالت کے ذریعہ سے کسانوں پر مختی شروع کر دی۔ جو کسان ریونیو کی ادائیگی میں دیر کرتے یا نہ دیتے تو ادائیگی سے بزرائیں دلوائی جاتی تھیں۔ جب قید و سزا اور جرمانہ کا حق عدالت کو ہو گیا تو اس کی وجہ سے حکومت تشدد کا ادارہ بن گئی اور جاگیردار و زمیندار پس منظر میں چلے گئے۔

اس کی وجہ سے ہندوستان کا وہ روایتی نظام ٹوٹ گیا جس میں جاگیردار و زمیندار کسانوں کا سرپرست ہوتا تھا۔ اس کی جگہ اب قانون کی عمداری ہو گئی۔ حکومت کا مقصد محض ریونیو کی وصولیابی رہا۔ اس نے کسانوں کی فلاج و بہبود کے لئے کوئی کام نہیں کیا، جس کی وجہ سے عام کسانوں کی حالت خراب ہوتی گئی۔ ان میں کچھ نے حالات سے مجبور ہو کر کاشت کاری چھوڑ دی اور ڈاکو بن گئے۔ ڈیکٹیوں کی روک تھام کے لئے سخت سزاوں کو نافذ کیا گیا جن میں سزاۓ کے موت و جلازو طبق شامل تھیں۔ اس چکر نے وہاں کی فضا کو بدلت کر رکھ دیا۔

اس طرح اس نے نظام میں نئے جاگیرداروں کا وہ طبقہ پیدا ہوا جس نے اپنی دولت کی بنیاد پر زمینیں خریدیں تھیں۔ لہذا ان کی دلچسپی نہ توزراعت و کاشتکاری میں تھی نہ ہی

کسانوں کی حالت بہتر بنانے میں۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ ریونیو و صول کرنا ان کا مقصد تھا۔ یہ طبقہ برطانوی حکومت کا اس لئے حامی بن گیا کیونکہ اس کی وجہ سے اسے زمینیں خریدنے کا موقع ملا اور انہیں کے تحفظ کی وجہ سے اس نے اپنی جاگیر کو مسحکم کیا۔

اوڈھ کا تعلقداری نظام اور راج

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں ان تعلقداروں نے بھی حصہ لیا تھا جو ۱۸۵۶ء کے بندوبست سے مطمئن نہ تھے کیونکہ اس کے تحت انہیں حقوق سے محروم کر کے ان زمینداروں اور کاشتکاروں کو حقوق ملکیت دے دیئے گئے تھے جو کاشت کرتے تھے۔ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ختم ہوا تو ۱۵/ مارچ ۱۸۵۸ء کو لارڈ کیننگ نے ایک اعلان جاری کیا کہ جس کے تحت چھ وفادار تعلقداروں کے علاوہ سب کی زمینیں ضبط کر لی گئیں۔ لارڈ کیننگ کی اس پالیسی پر ہندوستان اور برطانیہ میں کافی بحث ہوئی کہ کیا یہ اقدام صحیح ہے اور کیا اس کے اثرات برطانوی حکومت پر مثبت ہوں گے؟ بورڈ آف کنٹرول کے صدر لارڈ ایلن برونے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ پالیسی غلط ہے کیونکہ تاریخ میں یہ ہوتا رہا ہے کہ فاتحین نے اپنے مخالفوں کے دل جتنے کے لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جس کی وجہ سے وہ بعد میں ان کے حمایتی و وفادار ہو گئے۔

اوٹرم، جو کہ کمپنی کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا اور اوڈھ کے حالات سے بخوبی واقف تھا، اس نے بھی اس پالیسی کی مخالفت کی اور کہا کہ اس کے نتیجہ میں مایوسی پھیلے گی اور مجبوری کی حالت میں تعلقدار گوریلا جنگ شروع کر دیں گے جس کے لئے کمپنی کو ایک طویل تصادم میں الجھ کر کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ (۳)

کچھ برطانوی افسروں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے جن کسانوں اور زمینداروں کو ملکیت کے حقوق دیئے گئے تھے، انہوں نے اس رعایت کے باوجود حکومت کی مدد نہیں کی بلکہ تعلقداروں کا ساتھ دیا۔ اس سے ان کی احسان فراموشی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تعلقداروں کا اثر و رسوخ بہت بڑا ہے۔ کسان و کاشتکار اس کے باوجود کہ ان تعلقداروں کے حقوق چھین لئے گئے تھے، ان کے وفادار

رہے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ اس طبقہ کی مدد کریں جو اس کے مفادات کا تحفظ کرے چاہے اس کے نتیجہ میں کاشتکاروں کے حقوق ہی کیوں نہ غصب کرنا پڑیں۔ اس سلسلہ میں یہ دلیل بھی دی گئی کہ چونکہ کاشتکار قدیمی جاگیرداری نظام کے عادی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اس نظام کو مضبوط بنایا جائے۔

اللہذا اس پالیسی کے تحت حکومت نے پوری توجہ سے ہر تعلقدار کے معاملات کی چھان بین کی اور پھر انہیں دوبارہ سے ان کی زمینیں واپس کیں۔ تعاقداروں کو اس پر ڈر تھا کہ یہ فیصلہ کیسی عارضی نہ ہو اور محض حالات پر قابو پانے کے لئے کیا جا رہا ہو۔ جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو دوبارہ سے حکومت ان کی زمینیں واپس لے لے گئی۔ ان کے ان خدشات کے پیش نظر حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی جائدادیں مستقل طور پر انہیں دے دی جائیں۔

اس مقصد کے تحت حکومت نے ہر تعلقدار کو ایک سند دی جس میں اس بات کی ضمانت دی گئی کہ یہ جاگیریں انہیں اور ان کے وارثوں کو مستقل طور پر دے دی گئی ہیں۔ اس پر جو روپیہ عائد ہو گا وہ اسے سال بہ سال ادا کریں گے۔ سند کے ساتھ ان کے لئے جو شرائط رکھی گئیں وہ حسب ذیل تھیں:

- ۱۔ تمام ہتھیار حکومت کے حوالہ کر دیئے جائیں۔
- ۲۔ قلعوں اور گڑھیوں کو مسماں کر دیا جائے۔
- ۳۔ حکومت کی خدمت کے لئے تیار رہا جائے۔
- ۴۔ برطانوی حکومت سے وفادار رہا جائے۔

اگر کوئی ان شرائط کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی جاگیر کو ضبط کر لیا جائے گا۔ وراثت کے قانون کے مطابق جائداد وارث کو ملے گی۔ ملکیت رکھنے والے کو یہ حق ہو گا کہ وہ اسے فروخت، رہن اور عطیہ میں پوری یا اس کا حصہ کسی کو دے سکتا ہے۔

۲۶ اکتوبر کو لارڈ یمننگ نے لکھنؤ میں دربار کیا اور اس میں ان تعلقداروں سے خصوصیت کے ساتھ ملاقات کی کہ جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی مدد کی تھی۔ اس دربار میں اودھ کے تمام تعلقدار آئے اور سب نے ایک ایک ائمہ و فاداری کا عہد لیا اور

نذر پیش کی، اس کے بدلہ میں حکومت نے انہیں خلعت دیں اور خطابات سے نوازا۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ جو تعلقدار و فادار رہے گا حکومت اس کی مراعات کو باقی رکھے گی (۵) ساتھ ہی میں تعلقداروں سے یہ کہا گیا کہ وہ کاشت کاروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ان کے قدمی حقوق کا خیال رکھیں۔ اس موقع پر لارڈ کیننگ نے جو تقریر کی اس میں تعلقداروں کو تحفظ کا پورا پورا یقین دلایا:

آپ لوگوں نے سند میں ان شرائط کو دیکھ لیا ہو گا جس کے تحت اودھ کے قدیمی تعلقداری نظام کا احیاء کیا گیا ہے اور اسے مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جب تک آپ لوگ وفادار اور رعیت کے ساتھ انصاف پسند حاکم رہیں گے۔ حکومت آپ کے حقوق اور مراعات کو باقی رکھے گی۔ آپ نے اس سند میں یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ وارثوں کو بھی یہی حقوق ہمیشہ کے لئے دیئے گئے ہیں۔ (۶)

انہیں اس پالیسی کے تحت حکومت نے ایک تو تعلقداروں سے ہتھیار لے کر ان کی طاقت کو ختم کر دیا۔ دوسرے ان کے قلعے اور گڑھیاں مسماں کر کے رعیت کے سامنے ان کی قوت کی علامت کو توڑ دیا۔ اس عمل سے حکومت نے واضح طور پر اپنی بالادستی کو اس طرح سے قائم کیا کہ اس کا اظہار اب لوگوں پر ہو گیا۔ حکومت نے تعلقداروں کو دوبارہ سے حقوق تو دیئے مگر اس طرح سے کہ وہ حکومت کے تسلط میں رہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ جاگیر کی ضبطی کا حق حکومت کے پاس رہا۔ اس نے تعلقداروں کو اس طرح سے جکڑا کہ ان کے لئے حکومت سے وفاداری کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ گیا۔

برطانوی حکومت نے اس پالیسی کو اختیار کرتے ہوئے تاریخ سے بھی سیکھا کہ ان کے اقتدار کے لئے ایک چھوٹا اور مضبوط طبقہ زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کسانوں اور کاشتکاروں کے بجائے وفادار تعلقداروں پر بھی بھروسہ کیا جائے۔

حکومت نے صرف ان کی جائیدادیں واپس نہ کیں بلکہ یہ کوشش بھی کہ ان کی اصلاح کی جائے۔ اس غرض سے ان میں جدید تعلیم کو روشناس کرایا۔ انہیں حکومت کے امور میں شریک کیا۔ ان کی جائیدادوں کو تقسیم ہونے اور تباہ ہونے سے بچایا۔ ساتھ ہی میں

ان پر نظر رکھی کہ وہ حکومت کی مخالف سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۸ء کے بعد سے اودھ میں تعلقداروں کا جو نیا طبقہ ابھرا وہ پوری طرح حکومت کا وفادار رہا۔

سندھ میں جاگیرداری کا استحکام

۱۸۲۳ء میں برطانیہ نے سندھ پر قبضہ کیا۔ جب یہاں پر انتظامی معاملات کو طے کرنے کا وقت آیا، تو چالس نیپر نے یہ اعلان کیا سندھ کے جاگیرداروں کو ان کی جائدادیں لوٹا دی جائیں گی۔ اس مقصد کے لئے ان جاگیرداروں سے کہا گیا کہ وہ ۲۳ مئی ۱۸۲۳ء کو گورنر کے سامنے سلام کے لئے حاضر ہوں۔ جو جاگیردار آئیں گے انہیں ”پروانہ سلام“ دیا جائے گا اور وہ دوامی جاگیر کے حقدار ہو جائیں گے۔

سندھ میں برطانوی حکومت کی اس پالیسی کے تحت سندھ کے جاگیردار موروثی ہو گئے ورنہ اس سے پہلے وراثت کا کوئی اصول نہیں تھا اور جاگیردار کے مرنے کے بعد وہ حکومت کے پاس چلی جاتی تھی جسے وہ کسی اور عمدے دار یا فوجی کے حوالے کر دیتی تھی۔

اس پالیسی کے نتیجہ میں صرف حیدر آباد کلکٹریٹ میں ایک لاکھ ستر ہزار ایکڑ اراضی دائمی جاگیرداروں کے پاس چلی گئی۔ برطانوی حکومت کا خیال تھا کہ جاگیر کو موروثی بنانے کے نتیجہ میں جاگیردار طبقہ حکومت کا وفادار ہو جائے گا کیونکہ اب انہیں جاگیر کی طرف سے عدم تحفظ کا احساس نہیں رہے گا اور وہ اور ان کا خاندان شورش کے بجائے شرافت کو اپنا طریقہ زندگی بنالیں گے۔ (۷)

جاگیروں کو ”پروانہ سلام“ کے تحت موروثی بنانے سے سندھ کے جاگیرداری نظام کی تشكیل نو ہوئی۔ کیونکہ اب تک حکومت کی جانب سے جو جاگیریں دی جاتی تھیں وہ اس مقصد کے لئے ہوتی تھیں کہ جاگیردار حکومت کی فوجی مدد کریں گے۔ اس لئے روینوں کی وصولیابی کی رقم ان کے فوجی اخراجات کے لئے دی جاتی تھی۔ اب یعنی نظام میں بھی اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ ان کے فوجی اخراجات کیا ہیں؟ اس حساب سے انہیں ہدایات دی

گئیں کہ وہ اپنی جاگیر سے ریونیو وصول کریں۔ اس پر جاگیرداروں نے کماکہ جنگ کے زمانہ میں انہیں مال غنیمت بھی ملتا تھا۔ ان کی اس دلیل پر آمدنی کا تخمینہ گھٹا دیا گیا۔ مثلاً اگر پہلے یہ ۸ روپیہ تھاتواب کر دیا۔ (۸) نیپر نے یہ بھی کماکہ اب جاگیرداروں کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ فوج رکھیں اور حکومت کو فوجی امداد فراہم کریں۔ اس کے بد لے میں وہ زراعت کو فروغ دیں اور کاشتکاروں کو اوزار اور سولتیں فراہم کریں (۹) اس طرح جاگیردار جنگ کے بجائے کاشت پر توجہ دینے لگے۔ جب ان کے پاس فوج نہیں رہی تو وہ حکومت کے تابع ہو گئے ورنہ اس سے پہلے میران سندھ کو انہیں تابع رکھنے کے لئے فوجی طاقت کی ضرورت پڑتی تھی (۱۰)

اس طرح فیاضی کے ساتھ جاگیروں کو موروثی کرنے کے نتیجہ میں سندھ کی زمینیں بڑی تعداد میں جاگیرداروں کے پاس چلی گئیں۔ اس کا احساس حکومت کو بعد میں ہوا کہ اس نے بغیر سوچے سمجھے محض حاضری پر ”پروانہ سلام“ دے کر انہیں جو ہمیشہ کے لئے جاگیردار بنادیا تو اس کا اثر اس کی آمدنی پر پڑے گا۔ اس لئے انہوں نے اپنی اس پالیسی میں ترمیمیں شروع کر دیں اور کوشش کی کہ کسی نہ کسی بہانے سے جاگیروں کو واپس لیا جائے۔ مثلاً ان میں سے ایک یہ ترمیم تھی کہ میروں کے عمد میں جن لوگوں کو جاگیریں ملی تھیں وہ جاگیردار کے مرنے کے بعد حکومت کے پاس چلی جائے گی۔ اگر اس پر کسی کو وارثت کا حق ہو تو وہ اس کے لئے باقاعدہ حکومت کو درخواست دے کر اس کی توثیق کرائے۔ اس سکیم کے تحت جاگیردار حکومت کی مرضی کا تابع ہو گیا۔ اس طرح جاگیردار ”پروانہ سلام“ حاصل نہیں کرنے پاتا تھا۔ اس کی جاگیر بھی ضبط ہو جاتی تھی۔ (۱۱)

۱۸۵۵ء میں حکومت نے ایک کمشنز برائے جاگیر مقرر کیا تاکہ وہ جاگیروں کے معاملات کی چھان بین کرے۔ اس کی تحقیق کے نتیجہ میں جوبات واضح ہو کر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ ٹاپیروں نے اپنے دور حکومت میں بہت سے لوگوں کو اس لئے جاگیردار بنادیا تھا تاکہ ان کی حمایت حاصل کی جاسکتے۔ اس وجہ سے بہت کم درجے کے لوگ بھی جاگیردار ہو گئے تھے پذیر حکومت کو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی کہ جو با اثر ہوں۔ اس لئے کم درجے کے

جاگیرداروں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ دوسری نسل کے بعد حکومت ان کی جاگیریں واپس لے لے گی۔ اس کے برعکس حکومت نے ان جاگیرداروں کو تسلیم کر لیا کہ جو ٹالپر دور سے قبل یعنی ۱۸۳۷ء سے پہلے جاگیردار تھے۔ حکومت کے اس اقدام سے یہ جاگیردار طبقہ اس کا حامی ہو گیا۔ اس طرح ۱۸۵۸ء میں کمشنر جاگیر کی تحقیق کے مطابق جاگیرداروں کو چار درجوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱۔ وہ جاگیردار جن کی اسناد ۱۸۳۷ء سے قبل کی تھیں۔

۲۔ وہ جاگیردار جن کی اسناد ۱۸۳۷ء سے ۱۸۱۰ء تک تھیں

یہ جاگیریں ان کو بطور وراثت دے دی گئیں۔ کیونکہ ایک تو ان کی زمینیں ربہ میں زیادہ نہیں تھیں۔ دوسرے ان کی قدیم حیثیت کی وجہ سے حکومت کو ان کی ضرورت تھی۔

۳۔ وہ جاگیردار کہ جن کی اسناد ۱۸۱۰ء سے ۱۸۳۷ء کے درمیان تھیں۔ ان کی جاگیریں پر موجودہ جاگیردار کے مرنے پر حکومت نے قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

۴۔ وہ جاگیریں جو میروں کے آخری دس سالوں میں دی گئیں تھیں۔ یہ تاحیات دے دی گئیں (۱۲)

میروں کے عمد میں فوجی خدمات کے علاوہ علماء، صوفیاء اور پیروں کو بھی بطور مدد معاش زمینیں دی گئی تھیں۔ ان لوگوں نے معاشی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنی دولت کو استعمال کرتے ہوئے اپنی جائیدادوں کو نئی زمینیں خرید کر وسیع کر لیا۔ اس طرح روحانی پیشواؤں کے ساتھ ساتھ یہ بڑے جاگیردار بھی ہو گئے۔ حکومت نے ان کے ساتھ بھی اسی پالیسی کو اختیار کیا جو دوسرے جاگیرداروں کے ساتھ عمل میں لائی گئی تھی۔

ان قدیمی جاگیرداروں کے علاوہ حکومت نے وقتاً فوقتاً اپنے وفادار حامیوں کو بھی جاگیریں دیں۔ جن قدیم جاگیرداروں نے وفاداری کا ثبوت دیا تھا انہیں سکھربند اور جمزاؤ کی نہری اراضیاں دی گئیں (۱۳)

برطانوی حکومت جاگیرداروں کے نظام کی تشكیل نو کرنے بعد اس قابل ہوئی گئی کہ اسے حمایتوں اور وفادار لوگوں کا مضبوط طبقہ مل گیا جس نے اس کے استحکام میں حصہ لیا اور

لوگوں کو حکومت کا تابع بنائے رکھا۔

پنجاب میں جاگیرداری نظام کی تشکیل نو

ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت پنجاب کا خطہ سیاسی طور پر ہمیشہ سے ہی اتحل پتھل اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہا ہے۔ خصوصیت سے آخری عمد مغلیہ میں سکھوں اور مغلوں کی لڑائیں، نادر شاہ اور احمد شاہ عبدالی کے حملے، ان سب نے پنجاب میں بحران پیدا کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے یہاں کا نظام جاگیرداری بھی بدلتا رہا۔ وہ جاگیردار جن کے پاس فوجی طاقت تھی انہوں نے اپنی جاگیروں کا دفاع کیا اور جب بھی ضرورت پڑی تو انہوں نے ہر حملہ آور اور ہرنئے حکمران کا ساتھ دے کر اپنی جاگیروں کا تحفظ کیا۔ ان کی کئی مثالوں میں سے ایک مثال خانپور کے جاگیردار دلیر خاں کی ہے۔ اس نے احمد شاہ عبدالی (۷۳۷ء - ۷۴۷ء) کا ساتھ دیا جس پر اس نے اس کی جاگیر میں اضافے کیے۔ سکھوں کے عمد میں اس خاندان کے ہاتھ سے بہت سی جاگیر نکل گئی۔ مگر جب انہوں نے مراہشہ جنگل پیروں کا ساتھ دیا تو اس نے دوبارہ سے خانپورہ کی جائداد انہیں واپس کر دی۔ (۱۲)

پنجاب میں جو بھی نیا فاتح آتا اور یہاں اپنا اقتدار قائم کرتا تو اسے جاگیرداروں کی حمایت کی ضرورت ہوتی۔ اس کی یہ ضرورت دو باتوں کی وجہ سے تھی، اول تو اقتدار کے استحکام کے لئے فوجی مدد، دوسرے ریونیوں کی وصولیابی۔ جاگیردار کے اپنے تحفظ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس کا وفادار رہے۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے احمد شاہ عبدالی نے پرانے جاگیرداروں کو باقی رکھا اور جہاں ضرورت ہوئی وہاں نئے جاگیردار مقرر کیے۔ اس پالیسی کو رنجیت سنگھ نے بھی اختیار کیا اور سکھ سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ لیکن اس نے اپنے اس حق کو برقرار رکھا کہ جب وہ چاہتا جاگیر ضبط کر لیتا تھا۔ مثلاً اس نے ہری سنگھ نلوہ کو آٹھ لاکھ باؤن ہزار سالانہ کی جاگیر دی تھی، اس کے لئے شرط یہ تھی کہ وہ دو رسائیں، ایک توپ خانہ اور ایک اونٹوں کا توپ خانہ رکھے گا۔ اس کے مرنے پر جب اس کے وارثوں میں جھگڑے شروع ہوئے تو رنجیت سنگھ نے اس سے فائدہ اٹھا کر یہ جاگیر ضبط کر

لی اور اس کے وارثوں کو ان کی حیثیت کے مطابق دوسری جاگیریں دے دیں۔ (۱۵)

۱۸۳۹ء میں جب انگریزوں نے پنجاب فتح کیا تو انہوں نے یہاں پر جاگیرداری نظام کی از سر نو تشكیل کی۔ اس سلسلہ میں ان کی پالیسی یہ تھی کہ جن جاگیرداروں نے سکھوں کے ساتھ جنگوں میں ان کی مدد کی تھی، ان کی جاگیروں کو برقرار رہنے دیا۔ مگر جن لوگوں نے ان کے خلاف حصہ لیا تھا، ان کی جاگیروں کو ضبط کر لیا گیا۔ ان میں سے کچھ جاگیرداروں نے اپنی جائیدادوں کے حصول کے لئے جب بھی موقع ملا انگریزوں سے وفاداری کا عملی مظاہرہ کیا اور ان خدمات کے عوض ان سے اپنی جاگیریں واپس لے لیں۔ انہیں یہ موقع خصوصیت سے ۱۸۵۷ء میں ملا کہ جب انہیں ایک زبردست بغاوت کا سامنا تھا۔ ایسے نازک وقت میں جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، اس کا بدله انہوں نے بعد میں بڑی فیاضی سے دیا۔ اس قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال تو سردار منگل سنگھ رام گڑھیا کی ہے کہ جن نے سکھوں کے ساتھ دوسری جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ لہذا اس خدمت کے عوض اسے جاگیر دی گئی۔ اس کے برعکس مجیٹھا خاندان کے سردار سرجیت سنگھ نے اس جنگ میں انگریزوں کا ساتھ نہیں دیا تھا اس لئے پنجاب پر قبضہ کے بعد اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی (۱۱) اسے بنارس جلاوطن کر دیا گیا۔ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ جس کے عوض میں اسے ۸۰۰،۲۳ کی سالانہ پیش اور گور کھپور میں جائیداد دی گئی۔

مغربی پنجاب کے مسلمان جاگیرداروں نے سکھوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا وہ کھٹر خاندان کا سردار ۱۸۳۸ - ۱۸۳۹ء میں دوسری انگریز سکھ جنگ میں انگریزوں کی حمایت میں لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے عوض اس خاندان کے سردار حیات خان کو وفاداروں کے صلہ میں زمینیں دی گئیں۔ اس خاندان نے غدر کے زمانہ میں بھی انگریزوں کی مدد کی۔ اس طرح سے ٹوانہ خاندان نے ہر بحران میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ (۱۶)

حکومت نے یہ پالیسی پیر جاگیرداروں کے ساتھ اختیار کی۔ انہوں نے مسلمان معاشرے میں پیروں کی اہمیت کا اندازہ لگالیا تھا۔ اس لئے انہیں اپنا حمایتی بنانے کے لئے

ان کی مراعات کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے پیروں کے روحانی خاندانوں نے ہر موقع پر انگریزوں کی مدد کی۔

قدیمی جاگیرداروں کے علاوہ ب्रطانوی حکومت نے نئے جاگیردار بھی بنائے۔ ان میں خصوصیت سے وہ لوگ یا خاندان تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں ان کی مدد کی تھی۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کو بھی زمینیں دی جاتی تھیں کہ جو فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ان بااثر افراد کو بھی جاگیریں دی گئیں کہ جنہوں نے فوج میں رنگروٹ بھرتی کرانے میں حکومت کی مدد کی۔ جب کنال کالونیاں بنیں تو ان میں نئے جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ قدیمی جاگیرداروں کو بھی زمینیں دی گئیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار طبقہ نے وفاداری کے ساتھ حکومت کا ساتھ دیا۔ روساء پنجاب میں جاگیرداروں کی تاریخ اس بات کی گواہی ہے کہ کس طرح مختلف اوقات میں انہوں نے حکومت کا ساتھ دیا۔ بلکہ ان میں یہ کشمکش رہتی تھی کہ کون زیادہ مدد کرتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوتی تھی کہ اپنے علاقہ میں امن و امان برقرار رکھنے میں مدد کریں۔ باغیوں اور شورش پسندوں پر نظر رکھیں اور ان کی سرگرمیوں کی اطلاع حکومت کو فراہم کریں۔ مثلاً ملتان کے ڈایا خاندان کے شاہ محمد خان نے ۱۸۵۷ء میں ۶۲ اور ۲۵ رسالوں کے بھاگے ہوئے فوجیوں کو گرفتار کرایا۔ اس کی اس خدمت کی تعریف میں اسے ایک سند دی گئی۔ اس کے بیٹے خان کرم خاں نے ملاکنڈ میں ۹۸ - ۱۸۶۷ء کی سرحدی لڑائیوں میں انگریزوں کو اونٹ فراہم کیے جس پر اسے ۱۹۰۳ء کے دہلی دربار میں سندھی لڑائیوں کے زیادت خاں نے پہلی جنگ عظیم میں فوجی بھرتی کرائے اور جنگ کے سندھی۔ اس کے لڑکے زیادت خاں نے پہلی جنگ عظیم میں فوجی بھرتی کرائے اور جنگ کے لئے قرضہ فراہم کیا۔ اسی خاندان نے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۹ء کی شورشوں میں انگریزوں کی مدد کی اور ریلوے لائنوں اور تار کے کھمبوں کی حفاظت کی (۱۷)

اسی طرح کی ایک مثال سرفراز احمد خاں کی ہے جس نے احمد خاں کھل کے بارے میں کیپٹن انفسٹ کو اطلاع دی۔ اس خدمت کے عوض اسے خاں بہادر کا خطاب اور ۵۰۰ روپیہ کا نقد انعام خلعت اور ۵۲۵ کی پیش اور جاگیر ملی۔ اس کے لڑکے امیر علی خاں کو ۱۸۷۸ء کی افغانی لڑائی میں انگریز فوج کو اونٹ فراہم کرنے کی خدمت کے عوض سند اور

نقدی ملی۔ (۱۸)

بٹالہ کے سید حسین شاہ نے غدر میں انگریزوں کی مدد کی جس پر اسے تاحیات جائیکر ملی اور پرونسل درباری بنایا گیا۔ بعد میں اس کے پوتے محی الدین نے اس روایت کو جاری رکھا اور اپنی "انجمن اصلاح" کے ذریعہ گجرات، سیالکوٹ، لاہور اور ہوشیار پور میں اپنے مریدوں کی مدد سے تحریک سول نافرمانی کو روکا۔ (۱۹)

ملتان کے مخدوم شاہ محمود نے ۱۸۵۷ء میں حکومت کی مدد کی۔ روساء پنجاب میں

ان کے بارے میں ہے کہ:

یہ صاحب کشنز بہادر کو ان تمام ضروری واقعات کی خبر و دستار ہا کہ جو اس کو معلوم ہوتے رہتے تھے..... اس نے پولیس اور فوج میں آدمی دے کر مدد کی اور خود بھی کرنل ہملٹن صاحب کے ہمراہ پچھیس سواروں کے ساتھ باغیوں سے لڑنے گیا..... جنگ کے اس موقع پر مخدوم شاہ محمود کی موجودگی سے باغیوں پر بڑا اثر پڑا۔ انہوں نے یہ دیکھ کر خود ان کے نذہب کا ایک آدمی اور پیشوائیں کی بغاوت کے خلاف ہے اپنے دل ہار دیئے..... مخدوم کے مریدوں میں سے کوئی بھی باغیوں کے ساتھ نہیں شامل ہوا..... ان خدمات کے صلے میں مخدوم کو ۳۰۰۰ روپیہ نقد انعام ملا۔ زیارت کے نقد و نظیفہ کا تبادلہ، ۱۸۵۷ء اروپیہ مالیت کی اراضی جائیکر کے ساتھ دیا اور یہ جائیکر ان ۵۵۰ روپیہ مالیت کے آٹھ چاہات کے علاوہ تھی جو مخدوم کو بطور علی الدوام عطا یہ کے ملے تھے۔ پھر ۱۸۶۰ء میں حضور والسرائے بالقبہ کی تشریف آوری لاہور کے موقع پر مخدوم کی ذات خاص کے لئے ایک باغ ۱۵۰ سالانہ آمدی کا عطا ہوا جو بھنگی والا باغ مشہور ہے۔ (۲۰)

ان چند مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ جن میں جائیکرداروں نے حکومت کی مدد کی۔ ان کے ہمراہ جنگوں میں حصہ لیا اور ہندوستان کو فتح کرنے میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ ان جنگوں کے لئے رنگروٹ بھرتی کرائے۔ گھڑ سواروں کے لئے گھوڑوں کی پورش کی، جنگوں کے لئے چندہ دیا بھی اور جمع بھی کرایا۔ یہ صرف ہندوستان ہی میں ان کے لئے نہیں

لڑے بلکہ افغانستان، افریقہ اور یورپ تک ان کی فوجوں کے ہمراہ گئے۔
 انگریزی حکومت نے اس طبقہ کا تحفظ اس لئے کیا کیونکہ وہ ان کے ذریعہ صوبہ میں
 امن و امان برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ ان جاگیرداروں کے اختیارات بڑے وسیع تھے
 اس لئے یہ ممکن ہوا کہ انہوں نے رعایا کو اطاعت گزار رکھا۔

حوالہ جات

- A.R. Desai: Social Background of Indian Nationalism. -۱
 Bombay, 1948, Reprinted 1991- P.37
 ایضاً: ص ۳۷, ۳۹ -۲
- D.J. Marshal: Bengal: The British Bridgehead. -۳
 Cambridge, 1987. PP.146,147.
- R.K. Saradhikari: The Taluqadari Settlement in Oud'h. -۴
 Ist edition 1882 Rep. Delhi 1985, P.4
 ایضاً: ص ۳۳ -۵
- William Napier: History of Sir General Charles Napier. -۶
 London, 1856, Rep. Karachi, 1995. P.333
 ایضاً: ص ۱۱۰ - ۱۱۱ -۸
 ایضاً: ص ۳۷ -۹
 ایضاً: ص ۱۱۲ -۱۰
- Sufi-Saints and State Power: The Pirs of Sindh -۱۱
 1843-1947. Vanguard Lahore 1992. PP.40,41.
 ایضاً: ص ۳۱, ۳۰ -۱۲
 ایضاً: ص ۵۷ -۱۳
- لیفل اسچ، گرفین و کرنل می (اردو ترجمہ) تذکرہ روسائے پنجاب، جلد اول، سنگ میل لاہور، -۱۴
 ۱۹۹۳ء ص ۲۶, ۲۵ -۱۵
- تذکرہ روسائے پنجاب: جلد دوم: ص ۱۳۰ -۱۶
- Ian Talbot: Punjab and the Raj. Delhi 1988, PP.50,51 -۱۷
 تذکرہ روسائے پنجاب، جلد دوم، ص ۵۳۳ -۱۸
- ایضاً: ص ۸۸, ۸۷ -۱۹
- ایضاً: ص ۹۹ - ۹۸ -۲۰

جاگیردار اور برطانوی نظام سلط

کمپنی کے زمانہ میں برطانوی حکومت کی یہ پالیسی تھی کہ حکومت کے منتظمین اور لوگوں کے درمیان رابطہ ہونا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ فارسی، ہندوستانی اور دوسری مقامی زبانوں کو سیکھیں تاکہ لوگوں سے براہ راست رابطہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ ان کا رویہ سماجی و معاشی اصلاحات کی طرف تھا۔ وہ ہندوستان کے قدیم نظام میں تبدیلی کے خواہش مند تھے۔

لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ اور اس کے نتیجہ میں کمپنی کی حکومت کے خاتمہ نے برطانوی حکومت کی پالیسیوں کو بدل دیا۔ جنگ کے نتیجہ میں انہیں لوگوں کی طرف سے مایوسی ہوئی تھی کہ انسوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا اور ان کے خلاف بغاوت میں حصہ لے کر ان سے بد عمدی کی تھی۔ اس لئے وہ سماجی اصلاحات سے دستبردار ہو گئے اور کوشش کی کہ ہندوستان کے قدیم نظام کو اس طرح سے رہنے دیا جائے۔ عوام سے براہ راست تعلق کے بجائے بااثر اور رسوخ والے لوگوں کے ذریعہ ان سے رابطہ رکھا جائے۔ اس لئے لارڈ کینٹنگ کے اودھ میں تعلقداری کے نظام کو بحال کیا۔ اس کی اسی پالیسی کو دوسرے صوبوں اور علاقوں میں بھی اختیار کیا گیا۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ جاگیردار طبقہ کو ہوا۔

جب جاگیردار طبقہ برطانوی حکومت کے لئے ضروری ہو گیا اور اس طبقہ نے بھی اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تو برطانوی حکومت نے اس کے تحفظ، ترقی اور احکام کے لئے مختلف قدم اٹھائے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بدلتی ہوئی صورت حال میں تاجریوں اور ساہو کاروں کا طبقہ ابھر رہا تھا اور وہ جاگیرداری کے لئے ایک خطرہ تھا۔

جاگیردار جو اپنی جاگیری کے انتظام پر پوری توجہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی مالی حالت خراب ہو رہی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ نئی صورت حال میں جاگیرداروں کا پرانا نظام ٹوٹ چکا تھا۔ اب اس انتظام کے لئے جس نئی تنظیم کی ضرورت تھی جاگیردار اس کے اہل نہیں تھے۔ وہ اپنی آمدنی اور اخراجات میں کوئی توازن نہیں رکھتے تھے وہ زیادہ اخراجات کی صورت میں قرض لیتے تھے اور یہ قرض دینے کے لئے اس وقت سوائے کے ساہو کار کے اور کوئی ادارہ نہیں تھا کہ جمال سے انسیں آسان شرائط پر قرض مل سکتا۔

پنجاب میں جاگیرداری نظام کے اس بھرمان کی وجہ سے جاگیرداروں نے اپنی جاگیریں رہن رکھنا شروع کر دیں۔ خاص طور سے مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے علاقوں میں ان کی زمینیں ساہو کار خرید رہے تھے۔ (۱) اس صورت حال کی وجہ سے حکومت کو تشویش ہوئی۔ اور ۱۸۱۵ء کی لینڈ ٹرانسفر پورٹ میں لکھا گیا کہ گاؤں کا انتظام ان لوگوں کے پاس ہونا چاہئے جو بااثر ہوں اور گاؤں والوں کا اعتماد رکھتے ہوں۔ ایک ایسا طبقہ ہی حکومت اور رعیت کے درمیان رابطہ کا کام دے سکتا ہے۔ ساہو کار یہ حیثیت کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب کہ قدیمی جاگیردار اس کردار کو عمدگی کے ساتھ ادا کرنے کے قابل ہیں۔ (۲)

اب حکومت نے اس جانب توجہ دی کہ جاگیرداروں اور تعلقداروں میں اس احساس کو پیدا کیا جائے کہ وہ اپنی جانداروں کا بہتر انتظام کریں اور اب تک جو بد عملی اور بد انتظامی ہوتی رہی ہے اسے روکیں۔ خصوصیت سے ان کا عملہ جو بد عنوانیوں غبن اور خوردبرد میں ملوث ہوتا ہے اس کا سد باب کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جاگیردار بذاتِ خود جاگیر کے انتظامات کو دیکھے اور اس میں دلچسپی لے۔ اس کے نتیجہ میں ہم تعلقداروں اور جاگیرداروں کے رویہ میں تبدیلی دیکھتے ہیں۔ خصوصیت سے اودھ کے تعلقداروں نے اپنی زمینوں کے بندوبست اور انتظام پر خصوصی توجہ دی اس کے لئے باقاعدہ سے منتظمین کو مقرر کیا۔ مثلاً پرتاپ گڑھ کی جاگیریں پر عمدے دار تھے: دیوان ریاست، افسر صیغہ عدالت، افسر صیغہ مال، پیش دکست، مشی برائے پیشی، معتمد خانگی، نائب معتمد خانگی اور نائب معتمد صیغہ مال اور محترم۔

اس نئے انتظامی ڈھانچہ کی وجہ سے تعلقداروں نے صرف بد عنوانیوں کو روکا بلکہ اپنی آمدنی میں خطیر اضافے بھی کئے۔ (۳) یہ بھی ہوا کہ جن تعلقداروں نے جاگیر کے انتظامات میں دلچسپی نہیں لی اور ان کا صحیح بندوبست نہیں کیا وہ اپنی جاگیروں کی آمدنی کو برقرار نہیں رکھ سکے۔

کورٹ آف وارڈ

جاگیر کے انتظامات میں اس وقت خلل پڑتا تھا جبکہ وارث نابالغ، پاگل، یا معذور ہو۔ یا جاگیردار نے اپنی آمدن کا خیال کئے بغیر بے تحاشہ قرضہ لے لیا اور اس کی وجہ سے دیوالیہ ہونے کے قریب ہو یا ہو گیا ہو۔ اس صورت حال میں برطانوی حکومت کورٹ آف وارڈ کے نظام کو روشناس کرایا تاکہ ان جاگیروں کا انتظام حکومت کی جانب سے مقرر ہندے دار کریں۔ پنجاب میں ۱۸۹۳ء میں ۶۲ جاگیروں کا انتظام کورٹ آف وارڈ سنپھالے ہوا تھا۔ کورٹ کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے ۱۸۹۳ء کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد جاگیر کے وارث کے مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ ساتھ ہی کسانوں اور جاگیر کے رہنے والوں کی فلاج و بہبود کا خیال رکھنا ہے۔ کورٹ اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ نظام آب پاشی، زراعت، اور مویشیوں کی نسل، خاص طور سے گھوڑوں کی نسل کی افزائش پر خصوصی توجہ دے۔ اگر مناسب ہو تو اور زمین خرید کر جاگیر کو وسعت دے۔ یہ بھی کورٹ کا فرض ہے کہ وہ نابالغ وارث کی تعلیم کا خیال رکھے۔ (۴) اسی قسم کا کورٹ آف وارڈ سنپھال میں بھی تفصیل دیا گیا۔ (۵)

۱۹۰۱ء میں کو نسل آف دی لیفٹنٹ گورنر پنجاب کے ایک ممبر لان گوپال نے کورٹ آف وارڈ کی اہمیت پر تقریب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کا مقصد ہے کہ قدیمی خاندانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے کیونکہ حکومت اس امر کو پوری طرح سے سمجھتی ہے کہ مالدار جاگیرداروں کا ہونا اس کے لئے ضروری ہے اس لئے وہ نہیں چاہتی ہے کہ اس طبقہ کا خاتمه ہو۔ اس نے کہا کہ:

جاگیرداروں کا طبقہ حکومت کے استحکام میں دلچسپی لیتا ہے اور امن و امان

برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ لوگوں میں اس کا بڑا اثر و رسوخ ہے کہ جس کی وجہ سے پر تشدد انقلاب کے راستے رکے ہوئے ہیں۔ اس کا تجربہ ۱۸۵۷ء میں اودھ میں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے لارڈ کینٹ نے اودھ کے تعلقداروں کی قدیمی حیثیت کو بحال کیا۔ ” (۶)

جو انگریز عمدے دار کورٹ آف وارڈ کے تحت جا گیر کے انتظامات کرتے تھے ان کو حکومت کے عمدے داروں کے مقابلہ میں زیادہ تنخواہیں ملتی تھیں۔ مثلاً بلرام پور کے ایجنسٹ کو دو ہزار روپیہ ماہانہ اور وارڈ کے ٹیوٹر کو ۸۰۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی (۷)

کبھی کبھی کورٹ آف وارڈ انتظامات کے سلسلہ میں خاص قوانین اور ضابطے بھی بنالیتا تھا۔ مثلاً بلرام پور ہی میں خاص قوانین کے تحت جا گیر کے ہر فرد کے لئے خصوصی ذمہ داریاں مقرر کی گئیں تھیں اور انہیں ہدایت تھی کہ وہ کتنے روپیہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اگر وہ دوروں پر جائیں تو کیسے سفر کریں۔ مثلاً اگر اپیشل فیجر دورے پر جائے تو اسے یہ حق تھا کہ وہ دو ہاتھی اور ایک فوجی دستہ ساتھ میں رکھ سکتا تھا۔ جو ایک نائک اور چار سپاہیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ (۸)

حکومت نے ان جا گیروں کے لئے جو قرضے میں جکڑی ہوئی تھیں اور جن کے مالکین انہیں رہن رکھنے پر مجبور تھے۔ ایسی جا گیروں کے تحفظ کے لئے بھی قوانین بنائے۔ ۱۸۷۶ء میں سندھ میں ایک قانون کے ذریعہ مقروض جا گیردار کو تحفظ دیا گیا اس کی ملکیت اس وقت تک حکومت کے پاس رہتی تھی کہ جب تک بقا یا جات ادا نہ کر دئے جائیں۔ (۹)

پنجاب میں ساہو کاروں کا ذریعہ توزی نے کے لئے ۱۹۰۱ء میں قانون پاس ہوا جو پنجاب ایلی نیشن ایکٹ (Punjab Alienation Act) کہلاتا تھا اس کے تحت آبادی کو زراعتی و غیر زراعتی بندیا دوں پر تقسیم کیا گیا۔ اس کے تحت غیر زراعتی زمینیں نہیں خرید سکتا تھا۔ اس قانون نے جا گیردار کو جائداد کا تحفظ دیا۔ (۱۰)

قانون وراثت

جا گیر کی حفاظت کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ وراثت میں تقسیم نہ ہو۔

کیونکہ اس صورت میں جاگیردار طبقہ نہ صرف کمزور ہوتا بلکہ وقت کے ساتھ ختم بھی ہو جاتا۔ انگریزوں کے ذہن میں انگلستان کا وراثت کا قانون تھا کہ جس میں صرف بڑا لڑکا جائیداد کا وراث ہوتا تھا اور باقی لوگوں کو اپنا کیریہ خود بنانا ہوتا تھا۔ اس قانون کی وجہ سے نہ صرف جائیداد محفوظ رہتی تھی بلکہ جاگیردار طبقہ اپنی قدامت اور روایات کو بھی برقرار رکھتا تھا۔

اس لئے برطانوی حکومت نے ہندوستان میں بھی اس قانون کے تحت جائیداد کا تحفظ کرنا چاہتی تھی۔ اگرچہ ہندوستان میں کمچھ خاندانوں میں یہ رواج تھا کہ جائیداد ایک فرد کو مل جاتی تھی اور یہ اس کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ دوسرے اراکین خاندان کے وظیفے مقرر کر دے (۱۱) پنجاب میں ۱۹۰۲ء میں یونیورسٹی کونسل کے اجلاس میں جانشینی کا قانون پاس ہوا کہ جس میں جاگیردار کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنا جانشین نامزد کیا کرے۔

مئی ۱۹۰۳ء میں پنجاب لاءِ ایکٹ ۱۸۷۲ء کے سیشن ۸ میں ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر ٹورپر (Turpper) نے کہا کہ جب مئی ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے جاگیرداروں میں اسناد تقسیم کیں تھیں تو ساتھ ہی میں یہ کہا تھا کہ: ”سیاسی طور پر یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ جانشینی کے قانون کے نفاذ کی ہمت افزائی کی جائے۔ گورنر کا خیال ہے کہ لوگوں کے لئے اس سے زیادہ بد قسمتی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی ہے کہ جس معاشرے میں جاگیردار اہم طبقہ ہوں وہاں دولت مند اور باثر خاندان آ۔ ہستہ آ۔ ہستہ لاتعداد غریب خاندان میں بدل جائیں۔ ہر ایکسی بینسی کا خیال ہے کہ وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو مطمئن رکھنا بھی مشکل ہو گا۔ اس بل میں ایسی کوئی بات نہیں کی جا رہی ہے کہ جاگیردار کو مجبور کرے بلکہ جاگیردار سے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے خود اپنے طور پر ایسے اصول وضع کرے کہ جس سے اس کی جائیداد کئی وارثوں میں تقسیم در تقسم نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں صوبہ کے اعلیٰ خاندان آ۔ ہستہ آ۔ ہستہ اپنا سماجی مرتبہ کھو دیں گے۔ اسناد کے دینے کا مقصد یہ ہے کہ جاگیردار اور حکمران خاندان تمام ہندوستان میں ہر مسجدی ملکہ کی خواہش کے مطابق ہمیشہ کے لئے قائم رہیں اور گھرانوں کی حفظت و شان کی نمائندگی کرتے رہیں۔“ (۱۲)

برطانوی حکومت ہندوستان کے مختلف حصوں اور علاقوں میں کوشش کر کے وراثت کے ایسے قوانین بنانا چاہتی تھی کہ جن کے ذریعہ جائیداد ایک یونٹ میں قائم رہے۔ مثلاً کرنل ولیس (Wase) کی کوشش سے ہزارہ کی جاگیرداری کو وراثت میں دینے کے سلسلہ میں فرنٹیر ریگولیشن ۲۷۱۸ء میں دفاتر کی گئی تھیں۔ (۱۳)

قانون وراثت کے باوجود وراثت کے معاملات پر وارثوں میں اکثر جھگڑے ہوتے رہتے تھے جن کا فیصلہ عدالتیں کرتی تھیں۔ حکومت کی دلچسپی اس امر میں زیادہ تھی کہ جائیداد تقسیم نہ ہو اور ایک ہی وارث کے پاس رہے۔

تعلیم و سرکاری ملازمتیں

جاگیرداروں کو جدید زمانے کے تقاضوں سے روشناس کرانے کی غرض سے برطانوی حکومت نے اس بات کی کوشش کی کہ ان میں جدید تعلیم کا شوق پیدا کیا جائے۔ کیونکہ یورپی تعلیم کے حصول سے یہ طبقہ انگریزوں کے اور قریب آ جاتا۔ ان ابتدائی کوششوں کا جاگیردار طبقہ نے کوئی ہمت افزا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ ان کے لئے تعلیم ضروری نہیں تھی۔ ان کے سماجی رتبہ اور عزت کی بنیاد زمین اور اس سے پیدا شدہ دولت پر تھی۔ جاگیر کے انتظام کے لئے وہ تعلیم یافہ لوگوں کو ملازم رکھ لیتے تھے۔ اگر ان میں تعلیم کا رواج تھا بھی تو وہ روایتی تعلیم تھی۔ مذہبی علوم، شعرو شاعری اور ادب ان کی دلچسپی کا باعث ہوا کرتے تھے۔

جاگیرداروں کے بچے اسکول جانا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہاں انہیں عام بچوں کے ساتھ بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس لئے ان کی تعلیم کے لئے استاد گھروں پر آتے تھے جس کی وجہ سے معاشرہ میں استاد کی عزت کم تھی۔ کیونکہ وہ بھی عام ملازمین کی طرح گھر جا کر اپنی معاش پیدا کرتے تھے۔ چونکہ جاگیرداروں کو کسی ملازمت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے سند یا سرٹیفیکیٹ کی ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس لئے جب حکومت نے انہیں اسکول میں آنے کو کماتو اس کی سخت مزاحمت کی گئی۔ اول تو یہ بورڈنگ ہاؤس میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے کہ جہاں ڈپلن کے لئے قوانین و ضوابط تھے جب کہ یہ خود کو ان سے بالاتر

سمجھتے تھے۔ دوسرے اسکول میں جسمانی سرائیں بھی دی جاتی تھیں جو ان کے لئے بے عزتی کا باعث تھیں۔ لیکن حکومت کی کوشش تھی کہ انہیں اسکول میں لا یا جائے تاکہ ان میں سماجی شعور پیدا ہو۔ لہذا انسوں نے ان کے لئے مراعات رکھیں کہ وہ میں میں کھانے کے بجائے خود اپنا کھانا پکوا سکتے ہیں۔ اپنی خدمت کے لئے ملازم رکھ سکتے ہیں۔ اور یہ کہ انہیں کوئی جسمانی سرائیں دی جائے گی۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے ان کے لئے خصوصی تعلیمی ادارے قائم کئے جیسے ۱۸۸۶ء میں لاہور میں اپنی سن کالج، یہاں صرف جاگیرداروں کے لڑکوں کو داخلہ ملتا تھا۔ ۱۸۹۰ء میں تعلقداروں کے لڑکوں کے لئے کولون اسکول وغیرہ۔ (۱۲) تعلقداروں کا یہ طبقہ دو یا تین نسلوں بعد بدل گیا: اب وہ دیساٹی اور اجداد جاگیردار نہیں رہا کہ جو اپنی گڑھیوں اور قلعوں میں رہتا تھا بلکہ یہ انگریزی فیوڈل لارڈ بن گیا جس نے کولون تعلقدار کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ جو انگریزی لباس پہنتا تھا۔ جو اپنے دوستوں کو خاندان کی الیم و کھاتا تھا اور انہیں شمپن دسگار پیش کرتا تھا۔ اب اس کے مٹی سے بنی ہوئی حویلیاں غائب ہو گئیں تھیں اور ان کی جگہ جدید بڑے بڑے مکانات تھے کہ جن میں بھرے شیر، نادر اشیاء، اور کوئن و کثوریہ کی تصویر نظر آتی تھی۔ (۱۵)

حکومت نے جاگیرداروں سے تعلقات مضبوط کرنے اور عوام میں ان کی خیشیت بڑھانے کے لئے جو اقدامات کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ انہیں حکومت کی ملازمتوں میں شامل کیا جائے۔ اس طرح سے وہ خود کو حکومت میں شریک سمجھیں گے اور اس سے ان میں وفاداری کے جذبات گرے ہوں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت انہیں آزری محسوسیت، میونسپلی کا ممبر یا صدر، ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر، اور یونیورسٹی کو نسل کار کن مقرر کیا۔ ان ملازمتوں، آزری عمدوں اور حکومت کی طرف سے مختلف اداروں کے نامزد رکن کی خیشیت نے ایک طرف تو یہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتے تھے، دوسرے اس کی وجہ سے ان کے تعلقات برطانوی عمدے داروں سے قریبی ہو جاتے تھے۔

خطابات و مراعات

لیکن جماں برطانوی حکومت ان کے تحفظ کے لئے کوشش تھی وہاں اس تحفظ کی

اولین شرط یہ تھی کہ وہ حکومت کے ساتھ وفادار رہیں اور کسی بھی ایسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں کہ جن سے حکومت کو نقصان پہنچے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جو قوانین اور ضوابط بنائے ان کے ذریعے سے انہوں نے جاگیردار خاندان کے لئے سب سے اہم بات معاشرے میں اس کی عزت اور وقار ہے۔ اگر یہ برقرار رہے گا تو وہ مطمئن رہے گا اور حکومت سے وفاداری کرے گا۔ اس لئے حکومت ہندوستان کی قومی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے امراء کو ان کی خدمات کے پیش نظر خطابات دیا کرتی تھی۔ ان خطابات سے ان کی عزت مقصود تھی۔ اس لئے جماں ایک طرف قدیمی خطابات راجہ، مہاراجہ، راؤ، رائے، نواب اور خان بہادر باقی رکھے وہاں انہوں نے برطانوی خطابات کو بھی روشناس کرایا جیسے آڈر آف برلش انڈیا، اسٹار آف انڈیا وغیرہ۔ ہر بائی نس کا خطاب صرف ریاست کے حکر انوں کو دیا جاتا تھا۔ خطابات کے علاوہ خدمات کے اعتراف میں انہیں میڈل بھی دئے جاتے تھے جیسے ڈسٹرکٹ ویلی و سروس میڈل، دی برلش وار، دی وکٹری میڈل، اور سلور جوبی میڈل وغیرہ۔

خطابات دیتے وقت جاگیردار کے بارے میں پوری معلومات اکٹھی کی جاتی تھیں اس کے خاندان اور اس کی خدمات کو دیکھا جاتا تھا۔ مثلاً ۱۸۶۲ء میں حکومت سے اودھ کے ڈسٹرکٹ آفیسر سے کہا کہ وہ تعلقداروں کی ایک فہرست تیار کرے کہ کون کس خطاب کا حقدار ہے۔ لہذا اس فہرست کی تیاری میں جن چیزوں کو مد نظر رکھا گیا وہ وفاداری، پیلک خدمات، اور معاشرے میں اثر در سو خ تھیں۔ اکثر تعلقدار خطاب حاصل کرنے کے لئے کئی سال کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔ مثلاً جماں گیر آپاد کے تصدق حسین کو راجہ کا خطاب بارہ سال بعد ملا۔ (۱۶) ان خطابات کی وجہ سے جاگیرداروں کا حکومت سے وفادار رہنے اور زیادہ سے زیادہ خدمات ادا کرنے کا مقابلہ ہو جاتا تھا۔ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اسے بھی اس کے رتبہ کے مطابق کوئی نہ کوئی خطاب مل جائے تاکہ وہ اپنے ہم رجبوں میں بے عزت نہ ہو۔

خطابات کے بعد حکومت کو یہ بھی پالیسی تھی کہ جاگیرداروں کو دوسرے طبقوں سے ممتاز کرنے کے لئے انہیں مراعات دی جائیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ ان میں اور عام لوگوں

میں فرق قائم ہو جاتا تھا۔ مثلاً غدر کے بعد حکومت نے تمام لوگوں سے اسلحہ واپس لے لیا تھا۔ لیکن اب اسلحہ رکھنے کی اجازت وفادار جاگیرداروں کو دے دی گئی۔ اسی طرح سے ۱۸۵۷ء کے بعد جاگیرداروں کے مسلح محافظ دستے ختم کر دئے گئے تھے، مگر اب جاگیرداروں نے دوبارہ سے کوشش کی کہ انہیں محافظ دستے رکھنے کی اجازت دی جائے۔ یہ حفاظتی دستہ دراصل حفاظت کے لئے اتنا ضروری نہیں تھا جتنا کہ ذاتی شان و شوکت اور رعب کے لئے، اس کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ بڑے جاگیرداروں کو یہ مراعت دی گئی۔ جیسے کہ برام پور کے راجہ کو ۵۰۰ مسلح سپاہی اور ۷ توپیں رکھنے کی اجازت تھی۔ (۱۷)

جاگیردار اپنی حیثیت اور مرتبہ کو برقرار رکھنے کی خاطر ہر وہ مراعت چاہتے جو ان میں اور عام لوگوں میں فرق ظاہر کرے۔ لہذا ان کو ایک مراعت یہ دی گئی کہ وہ دیوانی عدالت میں حاضری سے مستثنی ہوں گے۔ کیونکہ کسی جاگیردار کے لئے یہ بڑی بے عزتی کی بات تھی کہ اسے عام لوگوں کے ساتھ عدالت میں حاضر ہونا پڑے۔

جاگیرداروں کے درمیان مقابلہ کی فضاقائم کرنے کے لئے حکومت جاگیرداروں کو کمشنر، یقشنٹ گورنر یا والسرائے کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیتی تھی، ایک تو دربار میں آنے کی دعوت اور کسی بڑے برطانوی افسر سے شرف ملاقات باعث فخریات ہوتی تھی۔ اس کے بعد حکومت نے ان کے مراتب کے لحاظ سے دربار میں ان کی نشتوں کو رکھا تھا۔ ان میں جن لوگوں کو اولین صفت میں بیٹھنے کو ملتا تھا وہ دوسروں کے مقابلہ میں خود کو برتر سمجھتے تھے۔ ان درباروں میں حاضر ہونے والے جاگیردار نذر پیش کرتے تھے جو کہ ایک قدیم ہندوستانی روایت تھی اور جس سے وفاداری کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے بدلہ میں اسے خلعت، انعامات اور تحالف دئے جاتے تھے۔ چونکہ دربار کا ادارہ قدیم ہندوستانی روایت کو جاری رکھے ہوئے تھا اس لئے جاگیردار اس کے انعقاد اور اس کے آداب کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس موقع پر شامل ہو کر وہ اپنی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کو بھی ظاہر کرنا چاہتے تھے جس سے ان کی رعیت متاثر ہوتی تھی۔ جب ۱۸۷۳ء میں واۓ نے خلعت دینی بند کی تو اس پر جاگیرداروں میں سخت رد عمل ہوا۔ کیونکہ رسم کے لحاظ سے نذر اور خلعت دونوں کی عوام میں انتہائی اہمیت تھی۔ (۱۸) اس سے ان کے اور برطانوی

حکومت کے تعلقات معلوم ہوتے تھے۔

حکومت نے ان مراعات کو جاگیرداروں کے خلاف اس وقت استعمال کیا کہ جب ان کارویہ حکومت کے خلاف ہوتا، یا حکومت کو ان کے کسی عمل سے ٹک گزرتا۔ تو ایسے موقعوں پر حکومت ان سے مراعات چھین کر یا کم کر کے انہیں راہ راست پر لے آتی تھی۔ مثلاً دربار میں ان کی نشتوں کو پچھے کر دینے سے انہیں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا یا ان کی دربار میں حاضری ہی بند کر دی جاتی تھی اور ان کی نشت منسوخ کر دی جاتی تھی، تو ان کے دماغ درست ہو جاتے تھے اور وہ فوراً حکومت سے معافی کے خواستگار ہوا کرتے تھے۔

اس لئے جاگیرداروں کو ایک مرتبہ جو مراعات مل جاتی تھیں وہ انہیں بچانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے لئے وہ حکومت اور اس کے عمدے داروں کو خوشنامہ میں رہا کرتے تھے۔ جب ایک مرتبہ ان کا انحصار حکومت کی خوشنودی پر ہو گیا تو ان کی خود مختار حیثیت ختم ہو گئی اور وہ حکومت کے خلاف کسی بھی سرگرمی میں خود کو ملوث ہونے سے بچاتے تھے۔ اس کے برعکس خود کو مراعات کا حقدار ثابت کرنے کی غرض سے ہر موقع پر حکومت سے وفاداری کا مظاہرہ کرتے تھے اور جب بھی ضرورت پڑتی تھی حکومت کے مختلف فنڈوں میں مالی عطیات بڑھ چڑھ کر دیتے تھے جیسے امپریل فنڈ برائے سلور جو بلی فنڈ وغیرہ۔

جاگیرداروں کی اس اعلیٰ حیثیت اور معاشرے میں ان کی عزت و وقار کے باوجود بیورو کریسی انہیں اپنی رعایا سمجھتی تھی اور ان کے اور اپنے درمیان ایک فاصلہ رکھتی تھی اور خود کو ان سے برتر اور ان کا سرپرست سمجھتی تھی۔ اس کا احساس وہ جاگیردار طبقہ کو برابر دلاتے رہتے تھے کہ ان کا معاشرہ میں جو مقام ہے اور جن مراعات کے وہ حقدار بنے ہوئے ہیں، یہ سب ان کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ انہیں اپنی رعایا سمجھتے ہوئے وہ اکثر ان کے رویہ پر ڈانتھ، جھڑکتے اور برابھلا کتے تھے۔ اگر جاگیرہ ار اپنے فرائض بخوبی پورے نہیں کرتا تو اس پر تنقید بھی کرتے تھے۔

بیورو کریسی کا اپنا رویہ تھا۔ جب کوئی جاگردار کسی انگریز عمدے دار سے ملنے جاتا تو اول تو اسے عمارت سے باہر دھوپ میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے انتظار کرا یا جاتا۔ ایک آدھ

گھنٹے بعد اسے برآمدے میں آنے کی اجازت ملتی تھی۔ پھر چپر اسیوں کی خوشامد کر کے اسے افسر سے ملنے کی اجازت ملتی تھی۔ اگر وہ چپر اسی کو اچھی سی ٹپ نہ دیتا تو اسے بیٹھنے کے لئے کرسی بھی نہیں ملتی تھی۔ جب وہ گورنمنٹ ہاؤس جاتا تو داخلہ سے پسلے ان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ کئی جگہ افسر کے کمرے میں جانے سے پسلے انہیں جوتے اتارنا پڑتے تھے۔ (۱۹) چونکہ یہ ان جاگیرداروں کے مفاد میں تھا کہ وہ افسران اعلیٰ کو خوش رکھیں۔ اس لئے وہ اس بے عزتی کو برداشت کرتے تھے اور ان کے ساتھ خوشامد انہ رویہ اختیار کرتے تھے۔

لہذا جاگیردار کے کردار کے دو پہلو تھے: ایک طرف وہ رعیت اور عام لوگوں کے ساتھ رعونت سے پیش آتا تھا اور خود کو برتر و اعلیٰ سمجھتا تھا۔ دوسری طرف برطانوی افسروں کے ساتھ وہ خوشامد انہ لجھ اختیار کر کے خود کو اپنے منصب سے گرا لیتا تھا۔ کردار کی اس دولی اور کمزوری نے جاگیردار طبقہ کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ کسی بھی مسئلہ پر حکومت سے احتجاج کرے یا اس سے مقابلہ کرے۔

بعد برطانیہ میں جاگیرداری کے نظام کی تشكیل میں برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کا تحفظ کیا۔ اس نے اس نظام میں جو تبدیلیاں کیں اس کے پس منظر میں ایک غیر ملکی حکومت کا رویہ تھا کہ جو اس ملک میں اپنے اقتدار کو قائم کرنے اور استحکام دینے کے لئے حمایتوں کا ایک ایسا گروہ کی تشكیل دینا چاہتی تھی جو اس کے ساتھ وفادار ہو۔

نظام جاگیرداری کو پائدار بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے انہوں نے ”لبی جائداد“ کے اصول کو روشناس کرایا۔ پھر اس جائداد کے تحفظ کے لئے وراثت کے قانون، کورٹ آف وارڈ، اور جائداد کی منتقلی کے بارے میں قوانین بنائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے جاگیردار کے روایتی اختیارات بھی چھین لئے جن میں یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ اپنے علاقہ میں امن و امان برقرار رکھے اور فیصلے کرے۔ اب یہ اختیارات پولیس اور عدالتوں کو دے دیئے گئے۔ جاگیرداروں کو اب اجازت نہیں تھی کہ وہ فوج رکھیں اور حکومت کی فوجی مدد کریں۔ کیونکہ حکومت کی اپنی فوج تھی اور وہ پسلے کے حکمرانوں کی طرح فوجی امداد کے لئے جاگیرداروں کے محتاج نہیں تھے۔ فوج کے نہ ہونے سے جاگیرداروں کی

حیثیت متاثر ہوئی۔ کیونکہ اب وہ فوج کے بغیر اپنی روایتی حیثیت کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے بلکہ اس کے لئے اسے حکومت اور حکومت کے عمدے داروں کا محتاج ہونا پڑا۔ اس لئے اب ڈسٹرکٹ آفیسر، کمشنر، گورنر، لارڈ واٹر ایئر کی انتہائی اہم ہو گئی۔

برطانوی حکومت کی اس تشکیل نوں جاگیردار کے کردار کو بدل کر رکھ دیا۔ اب وہ حکومت کی نظام کا ایک ایسا حصہ تھا جو مکمل طور پر حکومت کے سارے قائم تھا۔

ریاستیں اور جاگیرداری نظام

برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کی خاطر ہندوستان میں کئی چھوٹی و بڑی ریاستوں کو باقی رکھا اور ان کو اندروں معاملات میں خود مختاری دے دی۔ ان ریاستوں کی حیثیت یہ تھی کہ ان کے راجہ، مهاراجہ، اور نواب برطانوی حکومت کے وفادار تھے اور جیسا کہ مغلوں نے راجپوت حکمرانوں کو موروثی حقوق دے رکھے تھے یہی حقوق برطانوی حکومت نے ریاستوں کے حکمرانوں کو دے رکھے تھے۔

ان ریاستوں میں ان کا اپنا جاگیرداری نظام تھا۔ یہ جاگیریں اکثر ریاست کے بڑے عمدوں داروں کو بطور تنخواہ دے جاتی تھیں۔ ان میں سے کچھ موروثی ہوتی تھیں اور کچھ ایسی کہ جب حکمراں چاہے انہیں واپس لے سکتا تھا یا اضبط کر سکتا تھا۔ نظام آف حیدر آباد کی ریاست میں پانچ قسم کی جاگیریں تھیں: خالصہ، جس کا انتظام دیوان کرتا تھا، پائیگاہ کے امراء جن کا شمار بڑے جاگیرداروں میں ہوتا تھا اور انہیں یہ جاگیریں وراثت میں ملی ہوئی تھیں، صرف خاص کی جاگیر، جو نواب کے ذاتی اخراجات کے لئے ہوتی تھی، سمتھان یا وہ قدیم جاگیردار جو نظام سے پہلے دکن میں موجود تھے۔ ان کے علاوہ وہ جاگیریں تھیں جو بطور تنخواہ دی جاتی تھیں۔

دکن کی ریاست میں وہ جاگیردار خاندان اہم تھے جو آصف جاہ کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ انہیں وفاداری اور خدمات کے صلے میں جاگیریں دی گئیں تھیں۔ دوسرے جاگیردار خاندانوں میں کائستھے تھے جو کہ دفتر مال اور انتظامیہ میں کام کرتے تھے۔ کچھ مرابہ اور بہمن خاندان تھے کہ جنہیں جاگیریں ملی ہوئی تھیں، ان کے علاوہ مقامی سرداروں کو خراج

کی ادائیگی کی شرط پر زمینیں دی گئی تھیں۔ (۲۰)

بڑے جاگیرداروں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے علاقوں میں امن و امان قائم رکھیں گے اور ریونیو وصول کریں گے۔ ایک زمانہ میں فوج مہیا کرنا بھی ان کی ذمہ داری تھی جو بعد میں ختم ہو گئی۔ (۲۱) ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی جاگیریں تھیں، جو ایک گاؤں پر مشتمل ہوتی تھیں، ان جاگیروں کا انتظام انتہائی ناقص تھا۔ یہاں پر رعیت پر جو ظلم ہوتا تھا اس کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

دکن میں بڑے جاگیردار صرف ریونیو کی وصولی میں دلچسپی لیتے تھے، اس لئے انہوں نے بڑی دولت اکھٹی کر لی تھی اور اپنی آمدی کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے بعض چھوٹے راجاؤں سے زیادہ شان سے رہتے تھے۔ مثلاً سرکش پرشاد کول کی سالانہ آمدی ۳۲ لاکھ روپے تھی۔ سالار جنگ کی اپنی فوج تھی جو تین ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ لامحمدود اختیارات کی وجہ سے یہ جاگیردار انتہائی طاقت ور تھے۔ یہ اپنا دربار منعقد کرتے تھے اور خود کو رعایا کا سرپرست سمجھتے تھے۔ رعایا نظام سے پہلے ان کی وفاداری تھی۔ (۲۲) کیونکہ اس کا واسطہ انہیں سے پڑتا تھا۔

یہی صورت حال دوسری ریاستوں کی تھی جہاں حکمرانوں سے نیچے ٹھاکر، سردار اور جاگیردار ہوتے تھے۔ یہ ان ریاستوں میں روایتی کردار ادا کرتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ریاست کے حکمراں کو اپنے قابو میں رکھ کر اپنے اختیارات کو وسیع کریں۔ اس لئے ریاست کے دربار سازشوں کا گڑھ ہوا کرتے تھے۔ ریاستی جاگیرداروں کے اختیارات کا اندازہ گولیار کی ریاست کے ایک بڑے جاگیردار سے لگایا جا سکتا ہے جس کا نام ستول تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے اپنی جاگیر میں عدالتی اختیارات حاصل ہیں۔ اس کی اپنی پولیس ہے کہ جو امن و امان برقرار رکھتی ہے۔ اس کا اپنا تحصیل دار ہے کہ جو ریونیو کی وصولیابی کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں اس کے علاوہ کسی اور کوشکار کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے اپنے ماتحت جاگیردار، زمیندار، اور ٹھیکہ دار ہیں۔ ان مراعات کے بدلوں میں اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ اس کا لڑکا ریاست کی خدمات سرانجام دے۔ گولیار میں سرداروں اور جاگیرداروں کے لڑکوں کے لئے ایک اسکول تھا جہاں انہیں میڑک تک تعلیم دی جاتی تھی۔

اس کے بعد انہیں انتظامی امور اور مالی معاملات میں تربیت دی جاتی تھی۔ کیونکہ ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر یہی لوگ فائز ہوتے تھے۔ (۲۳)

ریاستوں میں جاگیرداروں کا فرض تھا کہ وہ پابندی سے حکمران کے دربار میں حاضری دیں اور اس کے احکامات کی تعیین کرتے ہوئے تمام خدمات سرانجام دیں۔ اس لئے اکثر جاگیردار اپنی جاگیر کے انتظام سے زیادہ حکمران کی خوشامد میں مصروف رہتے تھے اور کسانوں و کاشتکاروں کی حالت بہتر بنانے کا کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ رعیت اور حکمران کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہو اور اسے ان کی صحیح صورت حال کی خبر نہ ہو۔

برطانوی حکومت ان ریاستوں کے معاملات پر نظر رکھتی تھی اور جہاں حالات زیادہ خراب ہوتے تھے وہاں وہ اپنے افسروں کو عاریتاً دے کر انتظامات ٹھیک کرایتی تھی۔ اس روایتی نظام میں حکمران اور جاگیرداروں کو جو حیثیت تھی، اس میں ان کے خلاف بغاوت کرنا، یا ان کے خلاف بولنا و فاداری کے خلاف تھا۔ اس لئے کسان و کاشت کاران کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے تھے اور ان کے خلاف حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے تھے۔ اس کی ایک مثال ۱۹۲۰ء کی دہائی میں الور کے راجہ جے سنگھ کی ہے کہ جو اپنی رعایا سے اس قدر ریونیو اور نیکس وصول کرتا تھا کہ اس کی وجہ سے لوگ انتہائی مفلس اور غریب ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر ظالم مشہور تھا کہ بوڑھی بیوہ عورتوں کو شیر کے شکار کے لئے بطور چارہ استعمال کرتا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ کیونکہ ایک تو اس میں ان کا جذبہ وفاداری آڑے آتا تھا۔ دوسرے ان میں سیاسی شور کی کمی تھی۔ (۲۴)

لہذا ہندوستان میں دونوں قسم کا نظام جاگیرداری تھا۔ برطانوی علاقے میں جاگیر دار حکومت کے تسلط میں تھے۔ ریاستوں میں یہ روایتی طور پر حکمران کے ماتحت تھے۔ مگر اپنے علاقوں میں ان کے اختیارات تھے۔ برطانوی علاقے میں صنعت و حرف کی ترقی کے ساتھ معاشرہ میں تبدیلی آئی۔ مگر ریاستوں میں تاریخی عمل کو منجد کر کے رکھا گیا۔ اور بہت کم اصلاحات کی گئیں۔ اس لئے ریاستی ڈھانچہ بغیر تبدیلی کے عمل کے پس ماندہ ہوتا چلا

گیا۔ بلکہ جب ریاستی حکمرانوں کو برطانوی حکومت سے تحفظ مل گیا تو انہوں نے اپنی پوری توجہ عیاشی و آرام طلبی پر لگادی اور اپنی دولت کو اپنی ذاتی خواہشات پر خرچ کیا اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے بہت کم کام ہوئے۔

حوالہ جات

- ۱۔ تالبٹ: ص ۵۳
- ۲۔ ایضاً: ص ۵۵
- ۳۔ مکاف: ص ۲۶۰
- Report on the Administration and Court of word.** -۴
Lahore. 1894. P.1-2.
- ۵۔ تالبٹ: ص ۵۶
- ۶۔ سارا النصاری: ص ۵۷
- Publication of the Punjab Legislative Department.** May -۶
11, 1903. P.4
- ۷۔ مکاف: ص ۲۸۸
- ۸۔ ایضاً: ص ۲۸
- ۹۔ سارا النصاری: ص ۵۶
- ۱۰۔ تالبٹ: ص ۵۶
- ۱۱۔ تذکرہ رو سائے پنجاب، جلد دوم، ص ۳۱۷
- Proceedings of Legislative Council.** May 11, 1903. -۱۲
- ۱۳۔ ایضاً
- ۱۴۔ مکاف: ص ۳۲۲
- John Pemble: The Raj, the Indian Mutiny and the Kingdom of Oudh.** The Harvest Press, 1977. P.252 -۱۵
- ۱۶۔ مکاف: ص ۳۲۳
- ۱۷۔ ایضاً: ص ۳۲۳
- ۱۸۔ ایضاً: ص ۳۲۲
- ۱۹۔ ایضاً: ص ۳۲۶

V.K. Bawa: The Last Nizam: Penguin India. 1992 - ۲۰

P.12-13

- ۲۱ ایضاً: ص ۱۳

Charles Allen, Lives of the Indian Princes. Arena Londan - ۲۲

1987. P.8,16.

- ۲۳ ایضاً: ص ۱۶۸

- ۲۴ ایضاً: ص ۱۶۰

جاگیردارانہ کلچر

”موجودہ زمانہ کے رجھات اور یکسانیت کے درمیان انہوں نے روایات اور رسومات کو زندہ رکھا ہے۔ یہ ان کی قوت اور توانائی ہے کہ جس نے قدیم نسلوں کی خوبصورتی کو تباہ ہونے سے بچالیا ہے۔ ان کے پاس وہ بےپناہ صلاحیتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق زمین سے ہے۔ اس لئے انہوں نے جاگیردار طبقے کی سرگرمیوں کو زندہ رکھا ہے۔ خصوصیت سے راجپوتانہ کے علاقہ میں وہ ان آداب کے ضامن ہیں کہ جو ہندوستانیوں کے لئے قابل قدر ہیں۔ انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے خاندانوں میں شجاعت و عالی ہمتی ختم نہیں ہوئی ہے۔ انہوں نے قدیم ادب آداب اور روایات کو اپنی نجی و عوامی زندگی میں برقرار رکھا ہے۔ یہ ہندوستان امراء کی نشانیاں ہیں۔ اگر انہوں نے یہ ختم ہونے دیا تو اس کے نتیجہ میں ہندوستانی معاشرہ چینی کے برلن کی طرح ملکزے ملکزے ہو کر بکھر جائے گا۔“

(کرزن: جے پور ۱۹۰۲)

ہر نظام اپنی روایات و اقدار اور ادارے تشكیل دیتا ہے جس کے بنیاد پر ایک نئے کلچر کا ارتقاء ہوتا ہے۔ جاگیرداری نے بھی ایک ایسے کلچر کو جنم دیا کہ جس نے اس نظام کے تحفظ میں اس کی پوری پوری مدد کی۔ اس کلچر کی بنیاد معاشرے میں فرق اور امتیاز کو برقرار رکھنا تھا کیونکہ جب تک جاگیردار طبقہ خود کو دوسروں سے ممتاز نہیں کرتا اس وقت تک اس کے

لئے معاشرے میں عزت و وقار کو قائم کرنا مشکل تھا۔ لہذا جاگیرداری کلچر میں ان روایات اور اقدار کو فروع ملا کہ جنہوں نے عوام اور خواص میں زیادہ فرق کو قائم کیا۔

خاندان

اس فرق کو سب سے زیادہ خاندان کے ادارہ نے قائم رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ طبقہ اعلیٰ یا جاگیردار طبقہ کے لوگ بننے نہیں ہیں بلکہ پیدائشی ہوتے ہیں۔ اس کا خون اسے نچلے درجہ کے لوگوں سے بلند کرتا ہے۔ خون کی پاکیزگی اس کلچر میں اس لئے ضروری تھی مگر خاندانی اوصاف باقی رہیں اور ان میں ملاوٹ پیدا نہ ہو۔ شریف خاندان خون کی اس پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے گنمam خاندانوں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے۔ اس وجہ سے خاندان کی پاکیزگی کا تعلق شادی سے ہو جاتا تھا۔ اگر مرد اور عورت دونوں ہم مرتبہ خاندان سے ہوں تو ان کی اولاد نجیب الطرفین ہوتی تھی۔ اگر عورت کا تعلق نچلے درجہ سے ہوتا تو اس کی اولاد کا سماجی رتبہ بھی کم ہو جاتا تھا۔

خاندان کی حیثیت اس وجہ سے بھی تھی کیونکہ جاگیردارانہ نظام میں فرد کی شناخت اس کے خاندان سے ہوتی تھی۔ اس تعلق سے ان کو قانونی حیثیت ملتی تھی اور اس کا جائداد اور دیگر مراعات پر حق ہوتا تھا۔ اس کی بنیاد پر اسے حکومت کے اعلیٰ عمدے ملتے تھے اور کچھ معاشروں میں خاص خاص قسم کے فرائض چند مخصوص خاندانوں کو سپرد کر دئے جاتے تھے۔ ان باتوں کی وجہ سے یہ مراعات یافہ خاندان اس بات کی کوشش کرتے کہ ان کا دائرہ وسیع نہ ہو بلکہ محدود رہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی مراعات میں کوئی دوسرا شریک ہو۔ خاندان کی قانونی حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے یہ رواج تھا کہ باقاعدہ سے شجرے رکھے جائیں۔ جو اور زیادہ پر عزم ہوتے تھے وہ اپنی خاندانی تاریخیں بھی لکھواتے تھے کہ جن میں ان کے آبا اجداد کے کارناے اور ان کی عظمت کے تذکرے ہوتے تھے۔ ان کی محفلوں میں داستان گو اور بحاثت ان قصوں کو سنایا کرتے تھے کہ جن میں ان کے خاندان کی بڑائی کا ذکر ہوتا تھا مگر سامعین پر ان کا رعب بیٹھے۔

اس ماحول میں جب بچے پرورش پاتے تھے تو ان میں اپنے خاندان سے لگاؤ اور فخر ہو جاتا تھا۔ ان میں یہ خیال تقویت پا جاتا تھا کہ دوسرے خاندان اس کے مقابلہ میں کم تراور ادنی ہیں۔ اس لئے نئے خاندان کو جو اپنے خاندانی شجرے اور تاریخی دستاویزات نہیں رکھتے تھے ان کو قدیم خاندان اپنے برابر نہیں مانتے تھے۔ مثلاً فرانس میں قدیم امراء ”امراء شمشیر“ کہلاتے تھے۔ یہ رتبہ انہوں نے اپنی جنگ جو یانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر حاصل کیا تھا اس لئے وہ ”امراء جبه“ کو جن کا تعلق انتظامیہ سے تھا اپنے سے کم تر سمجھتے تھے۔

قرون وسطی میں معاشرے میں عزت کا ذریعہ جنگ جو یانہ اوصاف تھے، علم و ذہانت نہیں۔ اس لئے امراء کے خاندانوں میں شمشیر زنی نیزہ بازی اور گھر سواری لازمی ہوتی تھی۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جنگی مہارت انسان کو سخت اور مقابلہ کے لائق بناتی ہے جب کہ علم و ادب فرد کو کمزور و بزدل بناتا ہے۔ اسی بنیاد پر موت کو خوش آمدید کہنا اور زندگی سے پیار کرنا شجاعت کے دائرہ میں نہیں آتے تھے۔ شمشیر و سنہاں اول، طاؤس و رباب آخر اس جاگیردارانہ ذہنیت کی پیداوار ہے کہ جہاں جسمانی طاقت کو ذہنی طاقت سے برتر و افضل سمجھا جاتا تھا۔

خاندان کی اس اہمیت کی وجہ سے ہر فرد کا یہ فرض بتاتا تھا کہ وہ خاندان کی روایات کا تحفظ کرے اور انہیں ختم نہ ہونے دے۔ کیونکہ ان روایات کے خاتمہ کا مطلب خود اس خاندان کے افراد کا خاتمہ تھا۔ اس لئے خاندانی عظمت، وقار، عزت، اور بڑائی کے تصورات پیدا ہوئے جس کے سحر میں خاندان کے لوگ گرفتار رہتے تھے، اور دوسروں کو خود سے کم تر سمجھ کر رعنوت و غرور کو اختیار کر لیتے تھے۔ جب قدیمی خاندان اپنے مادی و سائل کھود دیتے تھے تو اس کے باوجود ان کی کچھ نسلیں خاندان کی روایات پر اپنی حیثیت کو برقرار رکھتی تھیں اور انہیں ختم ہونے میں خاصہ وقت لگتا تھا۔

اکثر مورخین نے معاشرے کے زوال کو بھی خاندانوں کے زوال سے دیکھا ہے اور اس پر نوحہ کناں ہوئے ہیں کہ قدیم خاندان کس طرح سے بٹاہ ہوئے اور اپنی عزت و آبرو کھو بیٹھے۔ ان کے لئے خاندانوں کی تباہی معاشرے کی تباہی ہے۔

معاشرے میں جب خاندان کو اس قدر اہمیت ملی تو اس کی وجہ سے عورت کی سماجی حیثیت گر گئی۔ کیونکہ خاندان کی پاکیزگی اور شرافت کو برقرار رکھنے کی سب سے بڑی ذمہ داری عورت کی ہو گئی۔ اس کا کام تھا کہ وہ خاندان کی بقا کے لئے وارث پیدا کرے۔ اس کے لئے باعفت، عصمت ہونا لازمی ہو گیا۔ اگر اس سے ذرا بھی جنسی بے راہ روی ہو جاتی تو اس سے خون کی پاکیزگی ختم ہو جاتی تھی۔ اس لئے جاگیردارانہ معاشرے میں عورت کی سب سے زیادہ حفاظت کی جاتی تھی۔ اسے حولیوں اور اوپھی اوپھی دیواروں کے درمیان محفوظ رکھا جاتا تھا۔ ملازموں کی ایک فوج اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی تھی۔ خاندان میں اس عورت کی زیادہ عزت تھی کہ جو وارث پیدا کرتی تھی۔ لڑکیوں کی اس لئے قدر نہیں تھی کیونکہ وہ خاندان کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے اکثر یا تو لڑکیوں کو تعلقات بہتر بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور یا ان کی شادی ہی نہیں کی جاتی تھی (۱) جبکہ مرد حضرات کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔

جاگیردار گھر انوں میں بچوں کی پرورش ملازموں کے ہاتھوں ہوتی تھی۔ اس لئے ماں باپ سے ان کا واسطہ کم ہی ہوتا تھا۔ انگریزی عمد میں بڑے گھر انوں میں انگریز آبائیں رکھنے کا رواج ہو گیا تھا۔ بچے جیسے ہی بڑے ہوتے یہ خود کو ملازموں کے درمیان پاتے تھے جو ان کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس لئے بچوں میں ابتداء ہی سے تحکمانہ رویہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ملازموں کو ان کی عمر یا بزرگی کا خیال کئے بغیر ان سے رعونت سے بیش آتے۔ اس وجہ سے عام لوگوں کو شروع ہی سے حقیر سمجھا جانے لگتا تھا اور بچوں کی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں رہتی تھی۔

اس کے علاوہ ملازموں اور خادموں کی ایک فوج ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتی تھی، اس لئے یہ تکلیف، غربت و مغلسی، اور پریشان سے واقف ہی نہیں ہوتے تھے اور یہی سمجھتے تھے کہ یہ سولتیں اور آسائشیں ان کا حق ہیں۔

ان میں ابتداء ہی سے یہ بات آ جاتی تھی کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کے ارد گرد کئی ملازم ہیں جو ان کے اشدارہ پر ان کا ہر کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس وجہ سے ہاتھ سے کام کرنا ناصلت کا باعث تھا کیونکہ یہ کام ملازم کرتے تھے۔

لہذا خاندان کی ان روایات میں پرورش پاکر بچے ابتدا ہی سے خود کو دوسروں سے علیحدہ سمجھتے تھے اور یہ خاندانی فخران کے کردار کا ایک حصہ بن جاتا تھا۔

عزت

خاندان سے جزا ہوا عزت کا تصور تھا۔ خاندانی فرد اس بات کو اپنا حق سمجھتا تھا کہ اس کی معاشرہ میں عزت ہونی چاہئے اور اس سے کم رتبہ اور درجہ کے جو لوگ ہیں وہ اس کا احترام کریں۔ اس عزت کا اظہار ادب و آداب کی رسومات میں ہوتا تھا کہ جب وہ باہر نکلے اور لوگوں کے درمیان جائے تو لوگ اس کے آگے جھکیں، سلام و آداب کریں۔ اور وہ ان کے آداب یا سلام کا جواب سر کو ہلا کر دے، کم درجے کے لوگوں سے وہ براہ راست مخاطب نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سے اپنے ملازموں کے ذریعہ بات کرتا تھا۔

طبقاتی معاشرے میں چونکہ فرد کا احترام اس کے رتبہ سے ہے، اس لئے اس رتبہ کی حفاظت کرنا عزت کے دائرہ میں آتا تھا۔ اگر کوئی اس کے رتبہ کو گرانے کی کوشش کرتا، اس کے ساتھ بے ادبی سے گفتگو کرتا، یا بد تمیزی کرتا تو یہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے جماں عزت کا سوال آ جاتا تو اس کی خاطر وہ ہر چیز داؤ پر لگا رہتا تھا۔

اس عزت کو بچانے کی خاطر جاگیرداروں میں باہمی مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ اگر کسی نے دعوت میں سو مہمان بلائے تھے تو دوسرا اس کے مقابلے میں پانچ سو بلا تھا۔ اسی عزت کے مقابلہ میں یہ صدقہ و خیرات کرتے تھے، عمارتیں بناتے تھے، فلاج و بہبود کے کام کرتے تھے، ظاہری شان و شوکت دکھاتے تھے۔ رہن سمن، اور کھانے پہننے میں دکھاوا کرتے تھے تاکہ ان کے ہمسروں میں ان کی عزت رہے، اور وہ دوسروں کے مقابلہ میں کم تر نہ رہ جائیں۔ اس عزت کی خاطر یہ خاندانی روایات کو برقرار رکھتے تھے۔ اگر ان کے اعمال و کردار سے خاندان کی بے عزتی ہو جاتی تھی تو یہ ان کے لئے سب سے زیادہ شرم کی بات تھی اس لئے خاندانی عزت ان کو ایک دائرہ میں محدود رکھتی تھی۔

وفاداری

جاگیردارانہ معاشرہ کی ایک اہم روایت وفاداری کی تھی کیونکہ اس کے بغیر جاگیردارانہ ڈھانچہ اپنے آپ کو برقار نہیں رکھ سکتا تھا۔ وفاداری کی یہ روایت طبقاتی معاشرے میں خاندان کی سطح سے شروع ہوتی تھی کہ جس میں باپ گھرانہ کا سربراہ ہوتا تھا۔ اور اس حیثیت سے تمام گھروالوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس کا حکم مانیں۔ اس کی اطاعت کریں۔ اور اس سے وفادار رہیں۔ دوسرا مرحلہ برادری کا ہوتا تھا کہ جس میں سردار کو یہ حق تھا کہ وہ اہل برادری سے وفاداری کا طالب ہو۔ گاؤں میں کسان اپنے زمیندار اور زمیندار جاگیردار کا وفادار ہوتا تھا۔

خیال کیا جاتا تھا کہ سطح بہ سطح وفاداری کے اس جذبہ کی وجہ سے لوگوں میں اطاعت و تابع داری کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں مختلف طبقات اپنے استحکام کو برقار رکھتے تھے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں طبقاتی شعور پیدا نہیں ہوتا تھا اور امیر و غریب کے درمیان کوئی تصادم نہیں تھا۔ طبقاتی شعور کی کمی کی وجہ سے کسی کو امراء یا جاگیردار طبقہ سے نفرت نہیں ہوتی تھی بلکہ وفاداری کا جذبہ انہیں ان اعلیٰ طبقوں سے جوڑ دیتا تھا کہ وہ ان کی شان و شوکت، دولت، عزت اور وقار کو اپنا سمجھنے لگتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔

وفاداری کے اس جذبہ کی وجہ سے وہ اپنے مالک اور آقا میں کسی قسم کی برائی نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کی برائیاں بھی انہیں خوبیاں نظر آتی تھیں۔ اگر وہ ان کے ساتھ ناالنصافی کرتا، ان کو سزا دیتا، برا بھلا کھتا اور ان کے ساتھ بد تیزی سے پیش آتا تب بھی یہ سب کچھ بغیر کسی غم و غصہ کے برداشت کرتے اور اس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کرتے تھے۔

وفاداری کے ان جذبات کا تعلق ایک طرف تو ان مادی ضروریات کی وجہ سے تھا کہ جن کے لئے یہ طبقہ اعلیٰ پر احتمال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس سے متعلق مذہبی و اخلاقی قدروں کے ذریعہ لوگوں میں اس جذبہ کو تقویت دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں وفاداری کو نمک حلائی کہا جاتا تھا۔ یعنی جس کا نمک کھایا، یا جس نے اسے کھانے کے وسائل مہیا کئے

ہوں، اس کا وفادار رہنا اعلیٰ اخلاقی قدر تھی۔ کیونکہ کھانا فراہم کرنا، یا ملازمت کے ذریعہ کھانے کا حصول، اس لئے انتہائی اہم تھا کیونکہ اس سے زندگی کی بقا تھی۔ چونکہ جاگیر دار طبقہ اپنے ماتحتوں کو رزق فراہم کرتا تھا اور پیداواری ذرائع اس کے پاس تھے۔ اس لئے وہ اپنے ماتحتوں سے وفاداری کا تقاضہ کر سکتا تھا۔

ایک تو وفاداری کا جذبہ ماحول کی پیداوار تھا مگر بعض حالات میں باقاعدہ سے عمد کے ذریعہ بھی اس مضبوط کیا جاتا تھا۔ جیسے کہ راجپوتوں میں یہ دستور تھا کہ وہ بادشاہ یا آقا کے سامنے یہ عمد کرتے تھے کہ ”میں تمہارا بچہ ہوں۔ میرا سر اور تنوار تمہارے لئے ہیں۔ میری خدمات تمہارے حکم کی منتظر ہیں۔“ (۲) جب وہ خود کو بچہ کہتا تھا تو وہ اپنے آقا کو باپ کے برابر مانتا تھا کہ جس کی وفاداری خاندان کے ہر فرد کے لئے لازمی ہوتی تھی۔

جاپان میں سمورائی طبقہ اپنے لارڈ کے لئے ہر وقت قربان ہونے پر تیار رہتا تھا۔ اس کی خاطروںہ اپنی بیوی و بچوں کو بھی قتل کر دیتا تھا۔ وفاداری کی یہ جڑیں سمورائی طبقہ میں وراثت میں چلی آتی تھیں اور ان کے لئے قابل فخر بن گئیں تھیں۔ یہاں تک کہ اپنے آقا کے مرنے پر خود کو بھی مدد لیتے تھے تاکہ وہ اگلی دنیا میں اکیلانہ نہیں رہے۔ ان میں خودکشی یا ہارا کیری کی رسم و وفاداری کا اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

یورپ میں فیوڈل لارڈ اور ویسل (Vassal) کے درمیان وفاداری کا عمد لیا جاتا تھا۔ اس وقت تک زبان عمد کی اس لئے اہمیت تھی کہ اکثر فیوڈل لارڈز لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ پھر یہ عمد سب کے سامنے لیا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس کو بقدس مل جاتا تھا اور بد عمدی کی صورت میں وہ شخص اپنا سماجی رتبہ کھو دیتا تھا۔

غداری کرنا اور مالک بے بد عمدی کرنا، معاشرہ میں سب سے بڑی برائی سمجھی جاتی تھی۔ اس کے لئے نمک حرام کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کی ایک ولچپ مثال ہندوستان کی تاریخ میں ہے کہ جب ہمایوں نے گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ (۱۵۲۶ - ۱۵۳۷) کو شکست دی تو اس کے ایک جزل رومی خال نے اس کے ساتھ غداری کی اور ہمایوں سے مل گیا۔ اس پر ہر طرف سے اسے رومی نمک حرام کہا گیا۔ یہ سن کر ایک طوطا بھی یہ الفاظ سیکھ گیا اور وہ بھی زور زور سے ”رومی خال نمک حرام“ کہتا

رہتا تھا۔ میراۃ سکندری کے مصنف نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ: ”جب ہمایوں نے دربار منعقد کیا اور اس میں رومی خاں کو انعام و اکرام دینے کے لئے بلا یا تو اسے دربار میں آتا دیکھ کر طوطے نے زور سے بولنا شروع کر دیا نمک حرام رومی خاں، غدار رومی خاں۔ اس پر ہمایوں نے رومی خاں سے مخاطب ہو کر کہا کہ: ”اگر کوئی آدمی یہ الفاظ کہتا تو میں حکم دیتا کہ اس کی زبان کھینچ لی جائے، مگر میں اس جانور کا کیا کر سکتا ہوں“ (۳)

اس لئے ایک طرف تو غداری کو بر اسمحنا جاتا تھا، مگر دوسری طرف غداری ہی کے ذریعہ نئی سیاسی طاقت یا خاندان اپنے حمایتی پیدا کرتا تھا اور اس کے عوض انہیں انعام و اکرام اور تحفے دیتا تھا۔ اس لئے ہم پوری تاریخ میں جاگیردار طبقے کی وفاداریاں بدلتے دیکھتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ غداری کی جاتی تھی تو یہ اسے برآ کہتے تھے۔ مگر جب یہ دوسروں کے ساتھ غداری کرتے تھے تو اس کا جواز پیش کر کے اسے اچھا کہتے تھے۔

سرپرست، امتیازات، و مشاغل

وفداداری کے ان جذبات کو قائم رکھنے میں احساس سرپرستی کو بڑا دخل تھا۔ جاگیردار اپنے ماتحتوں کو اپنی رعیت سمجھتا تھا اس لئے وہ یہ اپنا فرض سمجھتا تھا کہ ان کی حفاظت کرے۔ اس کی حیثیت اپنی رعیت کے لئے سرپرست کی ہوتی تھی۔ اس حیثیت سے وہ ان کے جگہزوں کو نمائانا تھا۔ ان کے درمیان فیصلے کرتا تھا، اور اگر ضرورت پڑتی تھی ان کی دشواریوں اور مشکلات کو حکام بالائیک پہنچانا تھا۔

سرپرست کی حیثیت سے وہ اپنی جاگیر میں مقام رکھتا تھا۔ وہ ایسے علامتی اقدام کرتا تھا کہ جن سے وہ اپنی رعیت اور ماتحتوں کو متاثر کرے۔ اس کی رہائش سب سے علیحدہ ہوتی تھی۔ فرانس میں ان کی یہ رہائش گاہ شاتو (Chateau) اور انگلستان میں مینور (Manor) کہلاتی تھیں۔ ہندوستان میں جاگیردار اور زمیندار حویلیاں گڑھیاں اور قلعے تعمیر کرتے تھے۔ لہذا ان کی رہائش گاہ اپنی انفرادیت کی وجہ سے طاقت، قوت اور امدت کی نشانی ہوتی تھی۔ اس کے ماتحت ان شاندار رہائش گاہوں کو دیکھ کر ان سے مرعوب ہوتے تھے کیونکہ اس کی شخصیت ان عمارتوں سے مل جاتی تھی، جو اتنی ہی بلند و بالا، محکم، اور ناقابل

تغیر ہوتی تھی۔ جب وہ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تھے تو ان کے بلند و بالا دروازے، چوڑے صحن، اور وسیع دالان انہیں مرعوب کر دیتے تھے۔

عام لوگ ان رہائش گاہوں سے اس لئے بھی ڈرتے تھے کیونکہ جاگیر کے منتظرین بھی وہیں ہوتے تھے، جو انہیں پوچھ گچھ کے لئے بلا تے رہتے تھے۔ اگر ضرورت پڑتی تھی تو سزا میں بھی یہیں دی جاتی تھیں۔ (۲)

بادشاہ کی طرز پر جاگیردار بھی اپنا دربار منعقد کیا کرتا تھا اور یہاں بھی تمام ادب آداب اور رسومات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ نشست و برخاست کے اصول مقرر تھے۔ جب لوگ سامنے آتے تو ہاتھ جوڑ ر آداب کرتے۔ اس کے پیر چھوتے، اس کے سامنے فرش پر بیٹھتے اور آہستہ آہستہ بات کرتے، اگر ضرورت ہوتی تو اپنامذ عابتیان کرتے ورنہ اسی طرح سے ہاتھ جوڑ کر خاموشی سے چلے جاتے تھے۔ جاگیردار ان کی وفاداری اور خدمات کے صلہ میں انہیں انعام و اکرام بھی دیتا تھا۔

اس قسم کے دربار میں یا مجلسیں ایک جاگیردار کے لئے ضروری تھیں کیونکہ انہیں کے ذریعہ وہ بحیثیت سرپرست کے اپنی رعایا کے سامنے آتا تھا۔ رو برو ہونے سے وفاداری کے جذبات کو تقویت ملتی تھی اور تجدید و فاداری ہوتی تھی۔

لوگوں میں مقبول اور ہر دل عزیز ہونے کی غرض سے جاگیردار اپنے علاقوں میں مسجدیں، مندر، تالاب، باغات اور اپنے آباو اجداد کے مقبرے و سماں ہیں تعمیر کراتے تھے۔ ان عمارتوں کی تعمیر سے دیہات کے ماحول میں تبدیلی آ جاتی تھی۔ یہ لوگوں کے لئے ایسی جگہیں بن جاتی تھیں کہ جہاں وہ آکھٹے ہو جاتے تھے۔ یہ اسکوں اور پائٹھ شالے بھی گھولتے تھے کہ جہاں بچوں کو نہ ہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ مسجدوں کے مولوی اور پائٹھ شالاؤں کے برصغیر ان کے تختواہ دار ہوتے تھے اس لئے ان کی خوشامد کرتے تھے اور ان کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے۔ مثلاً اجودھیا کاراجہ مندوں کی دیکھ بھال کرنے اور زائرین کی مدد کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہ سنیاسیوں اور پنڈتوں کی بھی سرپرستی کرتا تھا۔ اس لئے لوگوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ (۵)

سماجی اور نہ ہبی تواروں اور تقریبات میں یہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کیونکہ ان

پکے ذریعہ ان کو موقع ملتا تھا کہ اپنی شخصیت کو ابھاریں۔ یہ اپنی نہبست کو لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے برصغیر اور مولویوں کو وظیفے دیتے تھے۔ پھر خیرات و صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ کچھ جاگیردار توجہ باہر نکلتے تھے تو راستے میں پیسے لٹاتے جاتے تھے۔ اودھ کے تعلقدار راجہ محمود آباد نے اپنی جاگیر میں امام باڑہ بنوایا تھا جہاں مرشیہ خوانی، سوز خوانی، اور مجلسیں ہوتی تھیں۔ یہ شعیہ ذمہدروں کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ کربلا کی زیارت کو جانا اور وہاں عالموں کی مدد کے لئے پیسے بھیجنانا ان کی روایت تھی۔ (۶)

ان کے مذہبی لگاؤ اور اس کے اظہار سے ان کی رعیت میں ان کے لئے نیک جذبات پیدا ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں مذہبی ہونا اس بات کی علامت تھی کہ ایسا شخص نیک اور باکردار ہے۔ چونکہ جاگیردار، اپنی دولت کی وجہ سے مذہبی رسومات کو شاندار طریقہ سے ادا کرتے تھے جو کہ عام لوگوں کی طاقت سے باہر تھا، اس لئے وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنا مذہبی رتبہ بھی بلند کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ سماجی اور مذہبی اعتبار سے قابل اعتبار بن جاتے تھے۔

لوگوں میں مقبول ہونے کے لئے دعویں دینا اور کھانا کھلانا بھی ان کی ایک روایت تھی، دعوتوں کے یہ مواقع شادی بیاہ، پیدائش، موت اور تواروں پر ملتے تھے۔ چونکہ کھانے کا تعلق ان کے سماجی رتبہ سے ہوتا تھا اس لئے کوشش کی جاتی تھی کہ ان دعوتوں میں فیاضی و سخاوت کا کھل کر مظاہرہ ہو اور لوگ ان کی دعوتوں کو آنے والے وقت تک یاد رکھیں۔

سرپرست کے لئے فیاض ہونا بھی ضروری تھا۔ فیاض شخص کی ایک ایسے معاشرے میں زیادہ عزت ہوتی تھی کہ جہاں حد سے زیادہ مفلسی اور غربت ہو۔ اگر وہ صدقہ، خیرات اور دعوتوں کے ذریعہ روپیہ خرچ کرتا تھا تو اس کی فیاضی و سخاوت کے چرچے دور دور تک پھیل جاتے تھے۔ اپنی اس خوبی کی وجہ سے وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا تھا۔ لوگ ان سے امید کرنے لگتے تھے کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔ برے وقت میں ان کا ساتھ دے گا۔ ان کی مالی مشکلات کو حل کرے گا۔ اس کی وجہ سے اس کی شخصیت بے آسراوں کے لئے سہرا اور غربپوں و مفلسوں کے لئے امید بن جاتی تھی۔

یہ اپنے علاقوں میں آرٹ و ادب کی بھی سرپرستی کرتے تھے۔ مشاعروں، قوالیوں اور رقص و موسیقی کی محفلوں کی وجہ سے قصبوں اور گاؤں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی آجائی تھی۔

سرپرست کے لئے ایک طرف یہ ضروری تھا کہ وہ لوگوں کی پہنچ میں ہو، تاکہ اس کے اور رعایت کے درمیان تعلق و رابطہ رہے۔ لیکن دوسری طرف اس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ لوگوں سے دور رہے اور ان کے بہت قریب نہ ہو۔ زیادہ قریب ہونے سے اس کی شخصیت کا اڑ زائل ہو جاتا تھا۔ دوری کی وجہ سے اس کی شخصیت میں پراسراریت رہتی تھی اور اس کے بارے میں کئی باتیں لوگوں میں پھیل جاتی تھیں۔ یہ اس کی شخصیت کو دلکش اور متأثر کرنے والا دیتی تھی۔ شخصیت کے اس اڑ کو باقی رکھنے کے لئے وہ لوگوں سے براہ راست کم ہی بات کرتا تھا۔ اگر وہ کسی سے بات کرتا بھی تو یہ انتہائی مختصر ہوتی اور وہ توقع یہ کرتا تھا کہ اس کے سوالات کے جوابات بھی مختصر ہوں۔ عوام یا رعایت سے ملاقات کے لئے مخصوص موقع ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ ان سے دور رہا کرتا تھا۔

جب وہ اپنی حولی سے نکلتا تھا تو ہمیشہ سواری پر ہوتا تھا۔ ہاتھی، گھوڑا، پاکی، یا گاڑی، بعد میں کاروں نے یہ جگہ لے لی۔ پیدل چلنے اس کی حیثیت کے مطابق نہیں تھا۔ کیونکہ جب وہ پیدل چلتا تو اس میں اور عام آدمی میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ سواری پر ہوتا تھا تو سواری کی وجہ سے وہ زمین سے بلند ہو جاتا تھا۔ سواری کی اس اہمیت کی وجہ سے عام لوگوں کو ہاتھی یا پاکی کی سواری کی اجازت نہیں تھی۔ یورپ میں قرون وسطی میں نائنٹ گھوڑے پر سوار ہو کر لڑتے تھے جبکہ عام لوگوں کو پیدل فوجی کی حیثیت سے لڑنا پڑتا تھا۔

جاگیردار کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے پاس ملازمین کی ایک بڑی تعداد رہے۔ ملازموں کی تعداد اس کے درجہ اور رتبہ کو بڑھاتی تھی۔ کیونکہ ہر کام کے لئے ملازمین ہوا کرتے تھے۔ جو اس کے اشاروں پر دوڑتے تھے۔ اس لئے ان کی موجودگی سے جاگیردار کو اپنی طاقت اور اختیارات کا احساس رہتا تھا۔

ملازموں کی ضرورت کی وجہ سے خاندانی ملازمین کا طبقہ وجود میں آگیا تھا۔ کیونکہ

ان کا تعلق براہ راست جاگیردار سے ہوتا تھا اس لئے یہ خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے تھے۔ یہی لوگ اس کے مزاج میں دخل دے سکتے تھے، اور اس سے وہ بات کر سکتے تھے کہ جو دوسروں کے لئے منع تھی۔ ان ملازمین کی اہمیت اس وجہ سے بھی تھی کہ انہیں کے ذریعہ وہ لوگوں تک اپنے احکامات پہنچاتا تھا اور اپنی ناراضگی یا خوشنودی کا اظہار کرتا تھا۔

اس کے لئے فوجیوں کا ایک مسلح دستہ بھی ضروری تھا اکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ اس کے پاس طاقت ہے اور وہ اسے استعمال کر سکتا ہے۔

جاگیردار اپنی رعایت سے یہ توقع کرتا تھا کہ جب وہ اس کے سامنے آئیں اور اس سے مخاطب ہوں تو اسے باوقار خطابات کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ کریں۔ جیسے حضور، جناب عالی، عالی مرتبہ، اور مہا باپ وغیرہ۔ اس کے اصلی نام سے اسے کوئی مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔

قیمتی لباس بھی اس کی شخصیت کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے یہ ایسا لباس پہنتے تھے کہ جو انہیں عام لوگوں سے ممتاز کرے۔ خاص موقعوں پر ان کا لباس اس قدر قیمتی ہوتا تھا کہ لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی تھیں۔ مثلاً راجہ صاحب محمود آباد جب کسی تقریب میں جاتے تو سونے و چاندی کے تاروں سے مزیں لباس پہنتے اور ایسے جو تے کہ جن پر نادر سوتی منقش ہوتے تھے۔ اس کا مقصد اپنی دولت کا اظہار تھا اور اس ذریعہ سے وہ اپنے ہمسروں کو بھی ممتاز کرنا چاہتے تھے۔ (۷) بعد میں ان لوگوں میں یورپی لباس کا بھی فیش ہو گیا تھا۔

ان کے گھروں میں ایک زمانہ تک تور و ایتی فرنچ پر ہوتا تھا۔ مگر جب یورپی ادب آداب آئے تو قیمتی یورپی فرنچ بسمی و کلکتہ سے منگایا جاتا تھا اور اس سے اپنی حوالیوں کو سجا�ا جاتا تھا۔

کچھ جاگیردار ایسے تھے جو عجیب و غریب باتیں یا عادتیں اختیار کر کے خود کو ممتاز کرنے کی کوشش کرتے تھے، غیر معمولی عادات اختیار کرنے کی دو وجہات تھیں: اول، وہ لوگ کہ جو اپنی روزمرہ کی زندگی اور معمولات سے بیک آ جاتے تھے اور زندگی میں تہذیبی کی غرض سے ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ جو دوسروں کو عجیب لگتی تھیں۔ دوسرے وہ عجیب

عادتیں اس لئے اختیار کرتے تھے کیونکہ ان کے پاس اس قدر وسائل ہوتے تھے وہ اپنا وقت اور روپیہ پیسہ ان عادتوں میں لگا سکتے تھے۔ جبکہ ایک عام آدمی کے لئے یہ ناممکن ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کے بارے میں سوچ بھی سکے۔ مثلاً مذکوب غیر فرانس کے کچھ جاگیرداروں کو ایسی ہی عجیب باتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک جاگیردار کی یہ عادت تھی کہ وہ چاندی کے سکے کھیتوں میں بطور نیچ ڈالا کرتا تھا۔ ایک اور صاحب شمعوں پر اپنا کھانا پکوایتے تھے۔ ایک تیرے صاحب نے ایک بار تیس گھوڑوں کو زندہ جلوادیا۔ (۸)

اوده کے تعلقداروں میں پرتا بہادر اپنے کپڑے دوسروں سے علیحدہ دھلوایا کرتے تھے۔ محمود آباد کے راجہ علی احمد کو خوشبوؤں کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے وہ بڑھیا سے بڑھیا عطر خریدتے تھے۔ جب اس سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تھے تو اپنا عطر خود کشید کرایا کرتے تھے۔ اسی طرح سے اگر کسی جاگیردار کو گھوڑوں کا شوق ہوتا تھا تو وہ اپنے اصطبیل کو گھوڑوں سے بھر دیتا تھا۔ جب بیسوی صدی کے شروع میں کاریں آئیں تو پھر مریضہ ز اور رولس رائس نے گھوڑوں کی جگہ لے لی۔

مشاغل

جاگیردار طبقے میں عادات و اطوار کی بنا پر کئی قسم کی شخصیات تھیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو خود کو بہت معروف رکھتے تھے۔ جائداد کے انتظامات کی دلکشی بحال کرتے تھے، بچوں کی تعلیم کے بارے میں فکر کرتے تھے اور وقت کی انتہائی پابندی کرتے تھے۔ ساتھ ہی میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو انتہائی سست و کاہل اور وقت کو ضائع کرنے والے تھے، ان کا سارا وقت رقص و سرور، شراب نوشی و عورتوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔ وہ تعلیم کو اس لئے برا سمجھتے تھے کہ ان کے لئے یہ محض ملازمت کے حصول کا ذریعہ تھی۔ چونکہ یہ ان پڑھ رہتے تھے اس لئے ان کی جمالت سے فائدہ اٹھا کر ان کے ملازمین اور منتظرین انہیں لوٹنے میں معروف رہتے تھے۔ ایسے خاندان اپنی نااہلی کی وجہ سے جلد زوال پذیر ہو گئے۔

عام طور سے جاگیرداروں کا سب سے محبوب مشغله شکار ہوتا تھا۔ کیونکہ شکار میں

انیں وہی لذت ملتی تھی کہ جو میدان جنگ میں ہوتی تھی۔ گھوڑے پر سوار شکار کا تعاقب اور اس میں کامیابی انیں احساس تسکین دیتی تھی۔ شکار ان کی طاقت کے اظہار کا ایک ذریعہ بھی تھا کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسلح دستہ کے ساتھ شکار پر جاتے تو ان کے کسان ان سے مرعوب ہوتے تھے۔

شکار کو جاگیرداروں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا اور عام لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ شکار کریں۔ انگلستان میں عام لوگوں کے لئے سخت قوانین تھے جو گیمز لاء کے نام سے مشہور تھے، اگر عام کسان شکار کرتے ہوئے پکڑے جاتے تو انیں سخت سزا میں دی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شکار کی مسمم شکاری میں اعتماد کا احساس پیدا کرتی تھی اور شکار کو مارنے کے بعد اس میں فتح مندی کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔ اس لئے اس ڈر سے کہ یہ جذبات کمیں انیں بغاوت پر آمادہ نہیں کر دیں، عام لوگوں کو شکار کی ممانعت تھی۔

برطانوی عہد میں بڑے بڑے راجہ و جاگیردار انگریز افسروں کو خصوصی طور پر شکار کھلایا کرتے تھے۔

احساس فتح کے اس اظہار کو اس طرح سے ظاہر کرتے تھے کہ جانوروں میں بھس بھر کر انیں اپنی حولیوں اور گھروں کی دیواروں پر لٹکا دیتے تھے تاکہ دیکھنے والا ان سے متاثر ہو۔

ان کے دوسرے مشاغل میں کتنے پالنا بھی اہم تھا۔ کتوں کو پالنے میں جو زیادہ اہم وجہ تھی وہ ایک تو اس کی وفاداری کہ جس کی جاگیردارانہ معاشرے میں بڑی قدر تھی۔ پھر کتوں کے ذریعہ اپنی رعیت کو ڈرانا بھی مقصود ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ جانوروں کے درمیان لڑائیاں بھی ان کے مشاغل تھے۔ کیونکہ یہ لڑائیاں ان کی جنگ کی عادتوں کو تسکین دیتی تھیں۔ جانوروں کی یہ لڑائیاں جس قدر خون ریز و پر تشدد ہوتیں، اسی قدر وہ ان کے جوش و جذبہ کی تسکین کرتی تھیں۔ ان کے مشاغل میں طوائف بازی کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ جاگیردارانہ لکچر میں طوائف کامیابی درجہ اس لئے بڑھ جاتا تھا کیونکہ بیویوں کی حیثیت صرف وارث پیدا کرنے والی کی رہ جاتی تھی، وہ اس کی زندگی

میں برابر کی شریک نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس کی عزت تھی کہ حولی کی چار دیواری میں محفوظ رکھی جائے۔ اس کے مقابلہ میں طوائف کا رتبہ اس لئے بڑھ جاتا تھا کیونکہ وہ حولی کی قیدی نہیں تھی، بلکہ آزاد، بے باک اور چنپل عورت تھی، جور قص، موسیقی، شعرو شاعری اور ادب میں ماہر ہوا کرتی تھی، جس کی محبت میں ذہنی سکون ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جاگیردارانہ کلچر میں طوائف کا کوٹھا تذیب و ثقافت کا مرکز بن گیا۔ یہاں ابراء و جاگیردار کھلے ماحول میں عورتوں کی محفل میں لطف اٹھاتے تھے۔ طوائفوں کی دلچسپی ان کی دولت سے ہوتی تھی، اس لئے وہ اپنے ناز و نخود سے اس کی دولت کو ہتھیا تی تھی۔ چنانچہ طوف بازی سے اس مشغله میں جاگیردار اپنی دولت لٹا کر دیوالیہ ہو جاتے تھے۔ ان رشتتوں کی وجہ سے قتل بھی ہوتے تھے اور مقدموں میں پھنس جاتے تھے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات میں ایک واقعہ پنجاب کے ایک بڑے جاگیردار نواب محمد نواز خاں آف ڈب کلاں کا ہے کہ جس پر ایک طوائف شمشاد بائی کے قتل کا الزام تھا۔ لطیف گبانے جو قتل کے مشور قصے لکھے ہیں ان میں ایک اس کا بھی ذکر ہے۔ اس کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ:

”جب جھنگ سے اس کا جی آکتا جاتا تو وہ ایک مغل شہنشاہ کی مانند کثیر تعداد میں نوکر چاکر قول اور مخفی اپنے ساتھ لے کر ملک کے مختلف حصوں میں نکل جاتا۔ وہ بہت سادھن دولت اپنے ساتھ لے جاتا اور ان گویوں اور عورتوں کو جو اسے محفوظ و مسرور کرتیں دریا دلی سے انعام و اکرام سے نوازتا“ (۹)

وہ لاہور کی ایک طوائف شمشاد بائی پر فریفہ ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ جھنگ لے گیا جہاں رات کو جب دونوں کمرے میں تھے اس نے شمشاد بائی کو قتل کر دیا۔ اس کے دوست کے مطابق قتل شاید اس لئے ہوا کہ اس کی جسمانی حالت اس قابل نہیں رہی تھی کہ وہ شمشاد بائی کے ساتھ اختلاط کر سکتا۔ اس لئے جب اس نے اس پر ٹنز کیا تو وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکا اور گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ (۱۰)

بہت سی ایسی شہادتیں ہیں کہ جاگیرداروں نے شراب، جوئے، اور طوائف بازی میں اپنی جائداد و زندگی برپا کر دی۔ اس طرح ان کے ان مشاغل سے طوائفوں کو شہرت

ملی، جوئے اور شراب کے کاروبار میں ترقی ہوئی اور ان کی بغیر محنت کی کمالی ان سے نکل کر کاروبار میں آگئی اور کاروباری طبقہ کو مضبوط کیا۔

دوستی و دشمنی

جاگیردار کلچر میں دوستی و دشمنی دونوں میں انتہا پسندی ہوتی تھی۔ اگر کسی سے دوستی ہو جاتی ہے تو اس کو نبانے کے لئے پوری کوشش کی جاتی تھی اور دوست کا ہر حال میں ساتھ دیا جاتا تھا۔ اگر دوستی اور قانون و اخلاقی قدروں کے درمیان کبھی ترجیح کا سوال آ جاتا تو اس صورت میں دوستی کو اولیت دی جاتی تھی۔ چاہے دوست غلطی پر ہی کیوں نہ ہو اس کی حمایت کی جاتی تھی۔ یہ دوستی دو ہم مرتبہ اشخاص میں ہوتی تھی۔ اگرچہ کبھی اس میں استثنابھی ہو سکتا تھا اور جب یہ ہوتا تو دوسرے کو اپنے سے بڑے آدمی کی دوستی پر فخر ہوتا تھا۔ دوستی صرف ایک ہی فرد سے نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کا خاندان بھی اس زمرے میں آ جاتا تھا اور اس کے ساتھ بھی اسی محبت و خلوص سے ملا جاتا تھا۔ دوستی کا سب سے بڑا اظہار ساتھ کھانے پینے میں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم پیالہ و ہم نوالہ کی اصطلاح سے قربت اور یگانگت ظاہر ہوتی تھی۔

دوستی کی طرح دشمنی میں بھی انتہا پسندی ہوتی تھی۔ اگر کسی سے اختلاف ہو گیا تو پھر اسے بھلا کیا نہیں جاتا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ اپنے مخالف کو نیچا دکھایا جائے اور ذلیل کیا جائے۔ ایک زمانہ میں اس مقصد کے لئے جاگیردار چوروں اور رسیہ گیروں کی سرپرستی کرتے تھے ماکہ وہ ان کے مخالف جاگیرداروں کے مویشی چڑا کر لائیں اور انہیں زک پہنچائیں، اس کا یہ پیغام بھی تھا کہ وہ اس کے گھر میں گھس سکتے ہیں۔ اور اس کی حفاظت کو توڑ سکتے ہیں۔

سرائیکی علاتے میں چور مخالف جاگیردار کے گھر میں گھس کر اس کی عورتوں کے کپڑے چڑا لیتے تھے جنہیں وہ رات کے وقت درختوں پر لٹکا دیتے تھے ماکہ جب لوگ مجھ کھیتوں میں کام کرنے آئیں تو انہیں دیکھ لیں۔ عورتوں کے کپڑوں کو اس طرح لٹکا کر وہ مخالفوں کی بے عزتی کرتے تھے۔ (۱۱)

مقدمہ بازی

دشمنی کے اسی زمرے میں مقدمہ بازی بھی آتی ہے۔ ایک عرصہ تک جاگیردار اپنے مخالفوں کو دبانے کے لئے اور نقصان پہنچانے کے لئے ان کی زمینوں پر بذریعہ جنگ اور لڑائی قبضہ کرتے تھے۔ برطانوی عمد میں جب ان کے پاس فوج نہیں رہی تو جنگوں میں اور لڑائیوں کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اب میدان جنگ کی جگہ عدالت آگئی۔ فوج کی جگہ دکیلوں نے لے لی۔ مقدمہ لڑنے کی اصطلاح سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بطور جنگ لیا جاتا تھا۔ اس میں ہار و جیت کی اتنی ہی اہمیت تھی جیسی کہ میدان جنگ میں ہوتی تھی۔ مقدمہ عزت کا سوال بن جاتا تھا۔ اس لئے ہر فریق کی کوشش ہوتی تھی کہ مقدمہ جیتنے کے لئے جان و مال کی بازی لگادے اور جتنی دولت خرچ کر سکتا ہے کرے۔ جاگیردارانہ کلچر میں دولت کی اہمیت نہیں تھی کیونکہ یہ دولت بغیر محنت کے حاصل ہو جاتی تھی۔ اس لئے اہمیت اس بات کی تھی کہ اس کی حیثیت و عزت باقی رہے۔

یہ مقدمے مخالفوں اور دشمنوں سے بھی ہوتے تھے اور خاندانی جھگڑوں مثلاً تقسیم جائداد، شرکت جائداد اور وراثت پر بھی ہوتے تھے۔ ہر دو صورت میں یہ دو مخالفوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی۔ یہ مقدمہ اکثر قانونی موشگافیوں کی وجہ سے پندرہ پندرہ اور بیس بیس سال چلتا تھا جو ان کو ماقروض بنادیتا تھا۔ مگر وہ آخر وقت مخالف کو نیچا دکھانے کی خاطر مقدمہ بازی (یہ اصطلاح بھی دلچسپ ہے یعنی مقدمہ کا کھیل، اور مشغلوں کی طرح یہ بھی ایک مشغله تھا) میں مصروف رہتے تھے۔

وہ مقدمات بڑے سکلین ہوتے تھے کہ جن کا تعلق زمین سے ہوتا تھا۔ اگر زمین پر کوئی دوسرا حق جماعت ا تو چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے سخت قانونی جنگ ہوتی تھی۔ کیونکہ جاگیردار کے لئے سب سے اہم چیز زمین تھی۔ اس کی آمنی، اس کی حیثیت اور طاقت سب زمین کی وجہ سے تھی، اس لئے وہ اس کی خاطر جان بھی دنایا گوا را کرتا تھا کیونکہ اس کے بغیر وہ بے سما رہتا تھا۔

برطانوی عمد میں جاگیرداروں اور تعلقداروں کی مقدمہ بازی کی وجہ سے شروع

میں وکیلوں کے طبقے کو عروج ہوا کہ جنمیں نے ان کے اس شوق کی وجہ سے بہت دولت کمائی۔

ایک نقصان جو مقدمہ بازی سے ہوا وہ یہ کہ اس کی وجہ سے جائدادیں کم ہو گئیں۔ خاندان بر باد ہو گئے۔ زرعی ترقی رک گئی، اور بعض اوقات قتل تک کی نوت آگئی، مگر ان سب باتوں کے باوجود مقدمہ بازی جا گیرداروں میں ایک جذبہ اور شغل رہا۔ (۱۲)

قانون سے بالاتر ہونا

روایتی طور پر جا گیردار خود کو قانون کا نافذ کرنے والا سمجھتا تھا، اس لئے وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتا تھا کہ قانون کی پابندی کی جائے۔ کیونکہ قانون کی پابندی اسے اور ایک عام آدمی کو ایک ہی صفت میں کھڑا کر دیتی تھی۔ اس لئے اس کے اور عام آدمی کے درمیان علیحدہ علیحدہ قانون تھے۔ اس سے پہلے عمد سلاطین و عمد مغلیہ میں سب سے بڑا جرم بغاوت ہوتا تھا، اس کی سزا جا گیردار کو فوراً ملتی تھی، مگر دوسرے جرائم سے چشم پوشی کی جاتی تھی۔ سزا دیتے وقت بھی عام آدمی اور جا گیردار یا فیوڈل کے درمیان فرق تھا۔ مثلاً یورپ کے اکثر ملکوں میں اگر عام آدمی کو چنانی دی جاتی تھی تو جا گیردار کی گردن اڑائی جاتی تھی۔ فرانس میں انقلاب کے دوان گلوٹن کی ایجاد اس لئے اہم تھی کہ اس میں امیر و غریب دونوں کی ایک طرح سے گردن کائی جاتی تھی جو کہ مساوات کی علامت تھی۔

جا گیردارانہ کلچر اور تاجر

جا گیردار کے لئے زمین اہم تھی۔ روپیہ پیسہ کی اس کے لئے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ اس اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ زمین ایک جگہ رہتی ہے، جب کہ روپیہ حرکت میں اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ اس لئے اسے طوائف سے تشیہ دی جاتی تھی کہ کسی کی وفادار نہیں ہوتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں زمین کا تعلق گرا اور دامنی ہوتا تھا وہ حرکت نہیں کرتی تھی بلکہ اپنی جگہ رہتی تھی جو کہ وفاداری کی علامت تھی۔

اس وجہ سے جاگیردار طبقہ تاجر کو حقدارت سے دیکھتا تھا جو منافع کے لائق میں کاروبار کرتا تھا۔ نفع و نقصان کی وجہ سے تاجروں کی کوئی مستقل حیثیت بھی نہیں تھی وہ دولت اکٹھی کرتے تھے مگر نقصان کی وجہ سے یکدم دیوالیہ بھی ہو جاتے تھے۔ پھر ان کے بارے میں یہ۔ سمجھا جاتا تھا کہ وہ دھوکہ، فریب، لائق اور خوشامد سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں عالی ہمتوں اور بہادری کا فقدان ہوتا ہے۔ چونکہ وہ روپیہ پیسہ کا حساب رکھتے ہیں اس لئے اس کے خرچ کرنے میں کنجوس ہیں، اس لئے ان سے فیاضی و سخاوت کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ تاجر شروں میں رہتے ہوئے رشتہوں کی اہمیت پر زور نہیں دیتے تھے بلکہ ہر چیز کو نفع و نقصان کے پیمانہ میں ناپتے تھے۔

تاجروں کی کلاس اپنی اقدار کے لحاظ سے جاگیردارانہ لکھر سے مختلف تھی۔ جدید عہد میں جو تاجر طبقہ پیدا ہو رہا تھا، وہ اپنی کامیابی میں خاندان سے زیادہ اپنے کردار اور اپنی محنت کو سمجھتا تھا، اس کی کامیابی کی بنیاد اس کی ذہانت، لیاقت ہوتی تھی۔ وہ ان خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو چمکاتے تھے۔ چونکہ کام کی وجہ سے ترقی کے راستے کھلتے تھے اس لئے ان کی زندگی میں لظم و ضبط تھا، وقت کی قدر تھی۔ محنت کو معاشرہ میں باو قار مقام انسیں کی وجہ سے ملا۔ ان کے ہاں دوستی و دشمنی کی قدریں بھی مختلف تھیں۔ وہ دوستی و دشمنی کو معاشی مفادات میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ کاروباری ضرورت ہوتی تھی تو دشمن سے بھی بات چیت کر لیتے تھے۔

یہ وہ حالات تھے کہ جب شروں اور دیہات میں فرق ہوا۔ شروں میں ایک متوسط طبقہ وجود میں آیا کہ جو تعلیم یافتہ، باشور اور محنتی تھا۔ اس طبقہ نے یورپ کو جدید دور سے روشناس کرایا اور اسی طبقہ نے ہندوستان میں قوی شناخت کو پیدا کیا۔ لیکن پاکستان میں یہ طبقہ کمزور رہا اور جاگیردارانہ لکھر اس پر چھایا رہا۔

حوالہ جات

۱۔ سندھ میں لڑکیوں کی شادی قرآن سے کر دی جاتی ہے۔ یہ رسم بڑے جا گیردار گھرانوں میں ہے۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ شادی کر کے کسی غیر خاندان کے شخص کو اپنے میں داخل نہیں کیا جائے۔ دوسرے خاندان کی لڑکی کسی اور مرد کی ملکیت نہ بنے اور تیرے جائداد کے حصہ دار نہ ہو۔ کچھ جا گیردار خاندانوں میں لڑکیوں کی شادی کی ہی نہیں جاتی ہے اور پیدائش سے موت تک ان کی زندگی حولی میں گزرتی ہے۔

۲۔ Critchley: ص ۵۰

۳۔ ایشوری پر شاد: ہمایوں (انگریزی) لاہور (؟) ص ۵۷

۴۔ کافکا کا ناول ”کیسل“ اس کی مثالی ہے کہ جس میں کیسل آخر وقت تک پر اسرار اور پنج سے دور رہتا ہے۔

۵۔ مذکاف: ص ۳۵۳

۶۔ ایضاً: ص ۳۵۸

۷۔ ایضاً: ص ۳۶۷

۸۔ بلوخ: ص ۳۱۱

۹۔ لطیف گلبابا: قتل و معاشرتے (اردو ترجمہ محمد اسماعیل) لاہور ۱۹۹۲ء ص ۵۳

۱۰۔ ایضاً: ص ۲۷

۱۱۔ سرائیکی علاقے کی اس رسم کی معلومات کے لئے میں جناب سیر لطیف کا ممنون ہوں۔

۱۲۔ مذکاف: ص ۲۷۹، ۳۲۷، ۳۵۲

جاگیردار اور سیاست

جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ برطانوی عمد میں جاگیردار کا کردار اور اس کے اختیارات بدل چکے تھے۔ انتظامی اداروں اور ریاست کا کنشروں معاشرے پر بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے جاگیردار خود کو قانون سے بالاتر سمجھتا تھا، مگر اب وہ قانون کی زد میں تھا اور اگر اس کی خلاف ورزی کرتا تو اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح سزا دی جاتی تھی۔

برطانوی حکومت نے اس طرح سے جاگیردار طبقہ کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی مراعات، امتیازات، اور حیثیت کے لئے حکومت پر انھصار کرنے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ساری توانائیاں حکومت کی خوشامد اور اپنی وفاداری ثابت کرنے پر صرف ہوتی تھیں۔

جب ۱۸۲۰ء کی دھائی میں برطانوی حکومت نے ہندوستان میں جمیوری اداروں کو روشناس کرایا تو انہوں نے جاگیردار طبقہ کی وفاداری کے پیش نظر، انہیں لوکل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں بطور ممبر نامزد کرنا شروع کیا۔ ان اداروں کے قیام نے ہندوستان میں ایک محدود سیاست کو روشناس کرایا۔ لیکن جاگیردار طبقہ نے فوراً ہی اس کی اہمیت کو محسوس کر لیا کہ اپنے اختیارات کھونے کے بعد اور حکومت کی طاقت سے محروم ہونے کے بعد سیاست ہی وہ میدان ہے جس میں وہ اپنے کھوئے ہوئے اختیارات کو حاصل کر کے خود کو معاشرے میں اہم و ممتاز بنائے سکتے ہیں۔ اس لئے سیاست ان کے لئے ایک ایسا ذریعہ بن گئی جو ان کی عزت اور وقار کو بحال کر سکتی تھی۔ اس لئے جاگیردار طبقہ نے سیاست کو بھی جنگ کی طرح سے ایک وسیلہ بنایا، جو ان کے اور ان کے خاندان کو مستحکم اور مقبول بنانے میں مدد

کرے۔ ابتداء میں چونکہ نامزد گیاں ہوتی تھیں اس لئے انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت کے عمدے داروں اور احکام اعلیٰ کی خوشامدیں کیں۔ کیونکہ نامزدگی اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ جب حکومت کو ان کی وفاداری کا یقین ہو اور ساتھ ہی وہ رعیت میں ان کے اثر و رسوخ سے بھی واقف ہو۔ لہذا نامزد گیوں کے طریقہ کار کی وجہ سے جاگیردار طبقہ کی وفاداری حکومت کے ساتھ اور زیادہ مستحکم ہو گئی۔

جب انتخاب کا طریقہ شروع ہوا تو اس نے باہمی مقابلہ کے سلسلہ کو شروع کیا۔ یہ مقابلہ ایک بار پھر جنگ کی شکل اختیار کر گیا، کیونکہ انتخاب میں ہار، عزت و وقار کی ہادیت ہے۔ اس لئے عزت و وقار کے تحفظ کے لئے وہ زیادہ پیسے خرچ کر دیتے تھے اور ہر صورت میں کامیابی کے خواہش مندر رہتے تھے۔

لیکن ان اداروں میں آنے کے بعد جاگیردار طبقہ کو تھوڑے بہت اختیارات مل گئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں برطانوی انتظامیہ کا قرب حاصل ہو گیا۔ ایک طرف تو ان کی عزت میں اضافہ ہوا کہ وہ حکومت میں شرکٹ کار ہیں۔ تو دوسری طرف انتظامیہ کے قرب کی وجہ سے لوگوں میں ان کی حیثیت اور زیادہ بڑھ گئی۔

جمهوری اداروں اور روایات کی وجہ سے جاگیردار طبقہ میں پہلی مرتبہ یہ سیاسی شور آیا کہ انہیں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے متحد ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں حکومت ان کی بات سنے گی۔ اس مقصد کے لئے ہندوستان کے جاگیرداروں، زمینداروں، اور تعاقداروں نے اپنی اپنی انجمنیں بنائیں جیسے اودھ کے تعاقداروں نے برٹش انڈیا ایسوسی ایشن، پنجاب میں انجمن زمینداری، اور دوسرے صوبوں میں بھی ایگریکلچرل ایسوسی ایشنز بنیں، تاکہ جاگیرداروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔

جب بیجیلیٹو کونسلز کا قیام عمل میں آیا تو اس میں بھی اس طبقہ کے لوگوں کو نامزو کیا گیا۔ اس صورت حال سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایسے قوانین پاس کرائے جن کی وجہ سے ان کی جائیدادیں اور ان کی مراعات محفوظ رہیں۔ پنجاب میں خصوصیت سے جائیدادوں کے تحفظ، اور آپاٹی کے اخراجات کو کم کرانے کے قوانین کو نافذ کرایا گیا۔ (۱)

جمهوری اداروں کے قیام کے ابتدائی دور میں تو جاگیرداروں نے اپنا سلط قائم رکھا۔ لیکن اسی دوران معاشرے نیں تبدیلیاں آرہیں تھیں، اور شروں میں یورپی تعلیم یافتہ طبقہ سیاسی شغور کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ چنانچہ جب ۱۸۸۵ء میں اس طبقہ کے لوگوں نے کانگریس کی تشکیل کی اور اپنے لئے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا تو اس سے جاگیرداروں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی۔

جاگیردار طبقے اور متوسط طبقے کے رجھانات میں سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ جاگیردار طبقہ وفاداری کی بنیاد پر حکومت میں شرکت چاہتا تھا، جب کہ متوسط طبقہ سیاسی حقوق کا مطالبہ کر رہا تھا اور حکومت کی نالنصافیوں کی نشان دہی کر رہا تھا۔ اس رجھان کی تھی میں چھپا ہوا مزاحمتی لجہ تھا جس سے جاگیردار ناواقف تھے۔ مزید برآں جاگیردار طبقہ حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھا تھا۔ اس لئے یہ مقابلہ سے آشنا نہیں تھے۔ یہ ملازمتوں، عمدوں اور ممبری کے لئے اپنے خاندانی حق کو استعمال کرتے تھے۔ اگرچہ برطانوی حکومت نے کوشش کی تھی کہ انہیں جدید تعلیم دی جائے تاکہ وہ متوسط طبقہ سے مقابلہ کر سکیں، مگر وہ مقابلے کے بجائے ہمیشہ سرپرستی کے خواہش مندر ہے اس لئے متوسط طبقے کی ذہانت، لیاقت، اور محنت کے آگے کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار طبقہ قومی دھارے سے علیحدہ رہا اور اس نے سیاست کو محض حکومت کی خوشنودی اور اپنے مفارقات کے استعمال تک محدود رکھا۔

جاگیردار طبقہ کی اس ذہنیت کا اظہار سر سید احمد خاں کے اس رویے سے ہوتا ہے جو انہوں نے کانگریس کی مخالفت میں اختیار کیا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں انہوں نے پیڑیاٹک ایسوی ایشن بنائی جس کا مقصد تھا کہ حکومت کو اس بات کا یقین دلا یا جائے کہ جاگیردار اور والیان ریاست اس کے ساتھ ہیں۔ حالی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: ”تقریباً کل تعلقداروں، جاگیرداروں اور رئیسیوں نے عام طور سے ہندو ہوں یا مسلمان ان کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔“ (۲)

سر سید نے اس بات کی بھی مخالفت کی کہ مقابلہ کے امتحانوں میں عام ہندوستانیوں کو بیٹھنے دینا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے ادنیٰ درجہ کے لوگ اعلیٰ و شریف لوگوں کے حاکم بن

جائیں گے اور یہ ہندوستانی روایات کے خلاف ہے۔

”ہندوستان کی شریف قومیں، ہندوستان کے ادنی درجہ کے شخص کو جس کی جڑ بنیاد سے وہ واقف ہیں، اپنی جان و مال پر وہ حاکم ہونا پسند نہیں کریں گے“۔ (۳)

اس جاگیردارانہ ذہن کا اظہار ان کے اس روایہ سے ہوتا ہے کہ وہ بیجسیلیٹو کونسل کی ممبری کے لئے لیاقت کے نہیں بلکہ سماجی رتبہ کے قائل تھے۔

”کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ ادنی قوم یا ادنی درجہ کا آدمی خواہ اس نے نہیں۔ اے کی ڈگری لی ہو یا ایم۔ اے کی۔ اور گودہ لاکٹ بھی ہو، ان پر بیٹھ کر حکومت کرے۔ ان کے مال، جائداد، اور عزت پر حاکم ہو“ (۴)

جاگیردار اور متوسط طبقوں کے درمیان میں سیاسی اختلافات پورے برطانوی عمد میں جاری رہے۔ اس طبقاتی سیاست کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اس کی وجہ سے سیاست سیکولر تھی۔ چنانچہ جاگیرداروں اور تعلقداروں کی انجمنیں ہوں یا متوسط طبقہ کی سیاسی جماعتیں یہ طبقاتی مفادات پر متحد تھیں۔ پنجاب میں یونیسٹ پارٹی اس کی سب سے اچھی مثال ہے کہ جس میں ہندو، سکھ اور مسلمان جاگیردار جمع ہو گئے تھے۔

مسلمان جاگیرداروں کے طبقہ میں خصوصیت سے اس وقت بے چینی پھیلی کہ جب کانگرس نے اس کا اعلان کر دیا کہ وہ ملک کی آزادی کے بعد جاگیرداری نظام کا خاتمه کر دے گی۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء میں پنجاب اور سندھ کے جاگیردار مسلم لیگ میں آگئے اور پاکستان کی تحریک میں شامل ہو گئے۔

ملک کی تقسیم کے بعد کانگرس نے ۱۹۵۱ء میں ہندوستان میں جاگیرداری کا خاتمه کر دیا۔ مگر پاکستان میں جاگیرداروں کے نظام کو تقسیم کے بعد ایک نئی زندگی مل گئی۔ کیونکہ آزادی کے بعد پنجاب و سندھ سے ہندوؤں کا تعلیم یافتہ متوسط طبقہ چلا گیا۔ ان کی غیر حاضری میں جاگیردار طبقہ کو اس کی پوری آزادی مل گئی کہ ملک کی سیاست پر بغیر کسی مقابلہ کے حاوی ہو جائیں۔ سیاست و اقتدار پر ان کے تسلط کی وجہ سے وہ تمام کوششیں کہ جوزرعی

اصلاحات کے سلسلہ میں ہوئیں وہ بالآخر ناکام رہیں۔ ۱۹۳۹ء میں مسلم لیگ نے زرعی اصلاحات کے لئے ایک کمیشن بنایا مگر اس کی سفارشات پر عمل در آمد نہیں ہوا۔ ایوب خاں نے ۱۹۵۹ء اور بھٹو نے ۱۹۷۲ء میں زرعی اصلاحات کا نفاذ کیا مگر عملی طور پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

پاکستان کے ابتدائی دور میں چونکہ نہ تو کوئی دستور بنا اور نہ ہی انتخابات ہوئے۔ اس لئے مسلم لیگ جو کہ جاگیرداروں کے تسلط میں تھی اس نے بغیر کسی مقابلہ کے اقتدار کو اپنے لئے مخصوص رکھا۔ ساتھ ہی میں سیاست کے ساتھ ساتھ انہوں نے بیوروکری اور فوج میں بھی اپنے اثر و رسوخ کو بڑھایا کہ یہاں ان کے خاندان کے افراد نے اعلیٰ عہدوں پر قبضہ جمالیا۔ چنانچہ جب سنده میں بیراج کی زر خیز میں ان لوگوں کو ملکی و قومی خدمات کے عوض دی گئیں تو اس سے یہ طبقہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔

پاکستان میں مارشل لا اور فوجی آمریت کے زمانہ میں بھی جاگیردار طبقہ کی مراعات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ فوج اور بیوروکری سے ان کے جور وابط ہو گئے تھے ان کی وجہ سے انہوں نے اپنے اختیارات کو بحال رکھا۔

پاکستان کی جمصوریت جاگیردارانہ ہے، کیونکہ ملک کی ہر سیاسی جماعت سوائے چند نظریاتی جماعتوں کو چھوڑ کر، ان کی گرفت میں ہیں۔ چونکہ جاگیرداروں کا اپنے علاقہ میں اثر ہے، اس لئے ان کے لئے انتخابات جیتنا آسان ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں کسی جماعت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ سیاسی جماعت کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ سیاسی جماعتوں کو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے لئے وفاداری بد لانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ماضی میں ان کا دستور تھا۔

سیاست میں حصہ لینا، انتخاب میں جیتنا، اور اقتدار میں آنا ان کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے اختیارات کو وسیع کرتے ہیں، اور انتظامی اداروں کو استعمال کر کے اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اختیارات کی بدولت اس کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقہ میں سرپرست کا کردار ادا کر سکے۔ جس میں لوگوں کو ملاز متیں دلوانا، پوس کے چنگل سے آزاد کرانا، اور اپنے مخالفوں کو سزا میں دلوانا شامل ہوتا ہے۔

سرپرستی کے اس نظام کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ معاشرہ میں حکومت اور اس کے اداروں کا احترام ختم ہو گیا ہے اور اس کی جگہ ارکان اسمبلی اور وزیروں کی عزت و احترام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو انتظامیہ سے ان کے کام کرتے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے ہر شخص اس بات پر مجبور ہے کہ وہ ان کی سرپرستی کے دائرے میں رہے، جوان کی سرپرستی سے باہر ہے اس کے لئے انتظامیہ سے اپنے کام کرانا مشکل ہے۔ چنانچہ سیاسی اقتدار نے جاگیردار طبقہ کو جو وسیع اختیارات دئے ہیں۔ اس کے بعد سے انہوں نے خود کو اور زیادہ مستحکم کر لیا ہے۔ (۵)

اس جاگیردار جمہوریت میں، جمہوری ادارے ان کے لئے موثر ہتھیار ہیں کہ جن کو وہ اپنی ذات کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں ایسے قوانین پاس ہوتے ہیں کہ جو ان کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اس لئے آج زرعی نیکس پاس نہیں ہو سکا۔ کیونکہ پارلیمنٹ میں ان کی اکثریت ہے جو اس بل کو پاس نہیں ہونے دیتی ہے۔

پاکستان کے معاشرے میں جاگیردار طبقہ کو اس لئے بھی استحکام ملا کیونکہ اس کے مقابلہ میں متوسط طبقہ نہ توزیادہ پھیلا اور نہ ہی مضبوط ہوا۔ تعلیمی اداروں کے زوال نے اور بھی اس طبقہ کو کمزور کر دیا۔ اس لئے کسی مقابلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے جاگیردار طبقہ نے ہر دور میں چاہے آمریت ہو یا جمہوریت اس میں خود کو محفوظ رکھا۔

حوالہ جات

- ۱۔ تالیبٹ: ص ۸۳ - ۸۴
- ۲۔ الطاف حسین حالی: حیات جاوید، لاہور ۱۹۳۶ء ص ۳۱۸
- ۳۔ سرید: مطہرات، حصہ دوم، لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۳ - ۱۲
- ۴۔ ایضاً: ص ۶
- ۵۔ مبارک علی: جاگیردار نہ جمہوریت (المیہ تاریخ) لاہور ۱۹۹۵ء ص ۳۰۱

کیا پاکستان میں جاگیردارانہ نظام ہے؟

جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا پاکستان میں جاگیردارانہ نظام ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً پاکستان کا جاگیردارانہ نظام نہ تو یورپ کے قرون وسطیٰ جیسا ہے اور نہ ہی عمد سلاطین و مغلیہ جیسا۔ کیونکہ ہندوستان میں جاگیر بطور تنخواہ دی جاتی تھی، اور اس کی خلیلیت نجی جائداد کی نہیں تھی۔ عمد برطانیہ میں اس کو موروثی بھی بنایا گیا، اور اس کی تشکیل اس طرح سے ہوئی کہ اس طبقہ کی وفاداریاں حکومت کے ساتھ رہیں۔

پاکستان میں سیاسی اقتدار میں زر ہنے کی وجہ سے اس طبقہ نے اپنے اختیارات کو بڑھایا ہے، بجائے اس کے کہ حکومتی ادارے اس پر تسلط حاصل کر زیں، اس نے ان کو اپنے تسلط میں لے لیا ہے۔

زراعت میں مشینوں کے استعمال کی وجہ سے اب جاگیردار اور کسان کے تعلقات میں بھی فرق آگیا ہے۔ گاؤں اور شروعوں کے درمیان رابطے کی وجہ سے کسانوں کے لئے شرکی مارکیٹیں ملازمت کے لئے تھل گئی ہیں۔ اس لئے کسانوں کو کھیتوں پر کام کرانے کے لئے جاگیردار اب تشدد کو استعمال کرتا ہے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ انہیں پیشگی رقم دے کر مجبور کرتا ہے کہ اس کے لئے انتہائی سستی تنخواہ پر مزدوری کرے۔ ان کسانوں کو بیڑیوں میں باندھ کر نجی جیلوں میں رکھا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی فرار ہوتا ہے تو اس کی سزا اس کے اہل خاندان کو دی جاتی ہے۔ جس میں جسمانی تشدد، قتل، اور عورتوں کی بے حرمتی کرنا شامل ہوتا ہے۔ (۱) نجی جیلوں کا وجود اس بات کی گواہی ہے کہ اس طبقہ کا اثر انتظامیہ پر کس قدر ہے کہ جو اس کی جانب سے ان غاصب بر تی ہے اور اسے کسانوں پر ظلم

کرنے کے لئے وسیع اختیارات دیتی ہے۔

نئی صورت حال کی وجہ سے جاگیردار اب اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے تشدید کے کام لیتا ہے۔ اگر اس کے علاقہ میں کوئی اس کا احترام نہ کرے یا ادب کے طور پر اس کے آگے سرنه جھکائے تو اسے اپنے غنڈوں کے ذریعہ سزا دیتا ہے۔ (۲)

اس لئے پاکستان میں نظام جاگیرداری اب نئی شکل اور بیت میں ہے۔ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا ڈھانچہ بھی بدل گیا ہے۔ اب زیادہ تر جاگیردار اپنے علاقوں میں رہنے کے بجائے شروع میں رہتے ہیں۔ ان کے شروع میں آنے کی وجہ سے شروع کا لکھر بھی جاگیردار نہ ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی میں ان کا تعلق اپنے علاقہ کے آبادی سے کمزور ہو رہا ہے۔ اس لئے پاکستان میں نظام جاگیرداری موجود ہے۔ مگر اس کی نوعیت و شکل بدل گئی ہے۔ چونکہ یہ نظام کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اس لئے اس کا لکھر بھی اس کے ساتھ برقرار ہے۔

اس لئے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں نظام جاگیرداری اپنی افادیت کھو چکا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً اس نظام کی افادیت اس وجہ سے نہیں رہی ہے کیونکہ اس نظام کا تعلق محض اپنے مفادات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس نے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ نہیں کیا ہے۔ اس لئے اب لوگ اس کی افادیت پر سوال کرنے لگے ہیں۔ سیاست میں بھی ان کی نااہلی ثابت ہو چکی ہے۔ اور ملکی خرابی کا ذمہ دار بھی انہیں ہی ٹھہرایا جا رہا ہے۔

اب ورلڈ بنسک، آئی۔ ایم ایف اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مطالبات کے تحت معاشرے کی جو تشكیل نو ہو رہی ہے اس میں نظام جاگیرداری کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ اندر وہی اور بیرونی دباؤ کے تحت اس نظام کا اس شکل میں زیادہ عرصہ رہنا مشکل نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ملک کے اخباروں اور رسالوں میں سندھ میں نجی جیلوں کے بارے میں تفصیلات آتی ہیں۔ ان میں سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے رسالہ "جد حق" جلد نمبر ۲، شمار نمبر ۱۲ (دسمبر ۱۹۹۵) سے یہ اقتباسات دئے جا رہے ہیں۔

"نیم کے ارکان نے اس سلسلے میں ضلع سانگھٹر کے زمیندار مرید خاں مری کے گاؤں دھیہ دم گئے۔ نیم کے ارکان کے ہمراہ گاؤں سے ایک ماہ قبل فرار ہونے والا خسیو بھیل بھی تھا۔ جب نیم کے ارکان مرید خاں مری کے گاؤں درویش کے گنے کے کھیتوں میں پہنچنے تو وہاں ضلع تھر کے ایک گاؤں بگھار کے کرشن بھیل چنو بھیل، گیلو بھیل، مولو بھیل..... زنگ آلوڈ زنجیروں اور تالوں سے دودوکی جوڑی ہیں بندھے ہوئے گنے کی کٹائی میں مصروف تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ کئی میمنوں سے اس طرح بندھے ہوئے کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی طرح سینکڑوں ہاری مرید خاں مری کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلے ہوئے کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔

..... ان افراد نے بتایا کہ صبح سات بجے سے رات دس بجے تک کٹائی کرائی جاتی ہے۔ انہیں کبھی روٹی دی جاتی ہے کبھی نہیں دی جاتی۔ شام پانچ بجے کے قریب ان افراد کے لئے کھانا آیا جسے نیم کے ارکان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کھانے میں صرف گندم کی نیم سوکھی ہوئی روٹی اور اس کے ساتھ سوائے پانی کے اور کوئی چیز نہیں تھی۔ ان افراد نے بتایا کہ انہیں رات کے دس بجے کے بعد درختوں اور بڑے بڑے پتھروں سے باندھ دیا جاتا ہے اور مسلح پسریدار ان پر پھرہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ جسمانی طور پر انتہائی لاگرتھے اور ان کے کپڑے بوییدہ ہو کر کئی جگسوں سے پھٹ کھکھتے اور وہ کئی میمنوں سے نمائے بھی نہیں تھے۔

..... دوسری پرائیویٹ جیل غلام رسول را ہو کی زمین پر قائم ہے غلام رسول را ہو سندھ پولیس میں ڈی۔ ایس۔ پی ہے نیم کے ارکان جب اس گاؤں پہنچنے تو مرد عورتوں سمیت کپاس کے کھیتوں میں زمیندار کے کارندوں کی گمراہی میں کام کر رہے تھے۔ وہاں پر چار سوے بھائیوں نے بتایا کہ چار سال قبل زمیندار غلام رسول را ہونے انہیں گل حسن رند نامی زمیندار سے ۳۵ ہزار روپے میں خریدار تھا۔ چار سال تک دن رات اس کے کھیتوں میں کام کرنے کے بعد

اب زمیندار کا کہنا ہے کہ ان پر ایک لاکھ روپیہ قرض ہے..... (زمیندار کے آدمی) کئی مرتبہ ہیرے کی بڑی اور ڈوگر کی بیوی موناں سے ان کی موجودگی اور بغیر موجودگی میں جسمانی زیادتی کر چکے ہیں۔ ”

۲۔ رحیم یار ہاں ڈسٹرکٹ کے گاؤں جان پور کے وڈیرے ملک اعظم ناج کے آدمیوں نے گاؤں کے ایک شخص حافظ گوہر کو اس وجہ سے مار مار کر ہلاک کر دیا کہ اس نے وڈیرے کے سامنے گزرتے ہوئے اسے فرشی سلام نہیں کیا تھا۔ لیاقت پور کی پولیس وڈیرے اور اس کے آدمیوں کے خلاف کوئی نہ مدد مہ درج کرنے سے کترار ہی ہے۔

(ڈان۔ جعراۃ، فروری ۱۵، ۱۹۹۶ء)

اصطلاحات

اقطاع: زمین کا مکڑا جو کہ فوجی خدمات کے عوض دیا جاتا تھا۔ اقطاع رکھنے والا اقطاع دار یا مقطعي کہلاتا تھا۔

امانی: اس میں ریونیو کی وصولیابی پہلے سے طے شدہ شرائط پر نہیں ہوتی تھی بلکہ اصل پیداوار پر ہوتی تھی۔

ایمن: حساب کتاب رکھنے والا

اسامی: کاشتکار

عامل: ریونیو وصول کرنے والا افسرو حکومت کی جانب سے مقرر ہوتا تھا۔

بدھنی: ریونیو کی ادائیگی کے لئے قرضہ۔ یہ فضل کو بطور ضمانت رکھ کر لیا جاتا تھا۔

بھائی چارہ: جس میں زمین کی پیداوار کاشتکاروں میں برابر تقسیم ہوتی تھی۔

بسودار: گاؤں کی زمین کا حصہ دار

چکلمہ دار: پر گنوں پر مشتمل علاقہ چکلمہ۔ یہاں سے ریونیو وصول کرنے والا

دستک: پرواہ۔ ریونیونہ دینے والے کے خلاف نوٹس

دستورالعمل: انتظامیہ کے قوانین

گرد آور: انتظام کی دیکھ بھال کرنے والا

حضور تحصیل: جس میں گاؤں کا مکھیا گاؤں کی طرف سے براہ راست ریونیو کی ادائیگی کرتا تھا۔

جمع: ریونیو وصول کرنے والی رقم

وقف:	(جمع اوقاف) وہ جائداد جو ناقابل انتقال ہو
بنا تی:	زمیندار اور کسان کے درمیان پیداوار کی تقسیم
ڈالی:	نذر۔ پیش کش
انعام:	وہ زمین جس پر ریونیونہ لگتا ہو
جا گیر:	تختواہ کے عوض زمین کی پیداوار پر ریونیو کا حق
کرسی نشیں:	کمشنر، گورنر، یا اسرائے کے دربار میں حسب مراتب کری پر بیٹھنے کا حق
معافی:	ریونیو سے آزاد زمین
پشہ داری نظام:	اس میں ریونیو کا حق وارثوں کو حسب مراتب ملتا تھا
رعایت داری:	کاشتکاروں سے براہ راست ریونیو وصول کرنا
زمیندار:	برطانوی قانون کے تحت وہ شخص جو زمین پر مالکانہ حقوق رکھتا ہو۔
دیوان عرض:	فوجی انتظام کا شعبہ
سرنشستہ دار:	وستاویرزات رکھنے والا
تعلقدار:	اوڈھ کے زمیندار
تقاوی:	کاشتکاروں کو پیشگی رقم دینا
وقف سے وظیفہ دینا۔	وقف سے وظیفہ دینا۔
وشیقہ:	

کتابیات

اردو

- اچاریہ، کوٹلیہ: ارتھ شاستر (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۵ء
- اشرف، محمد: ہندوستانی معاشرہ عہد و سلطی میں (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۱ء
- الماوردی: الاحکام السلطانیہ (اردو ترجمہ) کراچی، ۱۹۶۵ء
- برنی، ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۲۹ء
- سرسید احمد خاں: مقالات سرسید۔ جلد شانزدھم۔ لاہور، ۱۹۶۵ء
- شrama، رام شرن: سماجی تبدیلیاں: ازمنہ و سلطی ہندوستان میں۔ دہلی، ۱۹۷۰ء
- مورلینڈ، ڈبلیو، ایچ: اکبر سے اور نگ زیب تک (اردو ترجمہ) نئی دہلی، ۱۹۸۱ء
- نعمان صدیقی: مغلوں کا نظام مالگزاری (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۰ء
- گرفن، ایچ و کرٹل میسی: تذکرہ روسائے پنجاب۔ حصہ اول و دوم، (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۹۳ء
- ہروی، نعمت اللہ: تاریخ خاں جہانی و مخزن افغانی (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۹۷۸ء

کتب انگریزی

Athar Ali: The Mughal Nobility under Aurangzeb. Bombay, 1970.

Aries, P., G. Duby (editors) A History of Private Life. Vol.II. Revelation of the Medieval World. Harvard Uni. Press. 1988.

Ansari, Sarah: Safi-Saints and State Power: The Pirs of Sindh. (1843-1947) Lahore, 1992.

- Bloch, M.: Feudal Society, London 1962.
- Brooke, C.: Europe in the Central Middle Ages. London, 1975.
- Bawa, V.K.: The Last Nizam, Penguin India, 1992.
- Chritchely, J.: Feudalism, London, 1978.
- Desai, A.R.: Social background of Indian Nationalism, Bombay 1991.
- Darling, M.: The Punjab Peasant. London (?)
- Durand, Will: The Age of Faith. Newyork 1950.
- Our Oriental Heritage. Newyork 1963.
- Rousseau and Revolution. Newyork 1967.
- The age of Napolean. Newyork 1975.
- Fisher, M.H.: The Clash of Culture. Delhi 1987.
- Ganshop, F.L.: Feudalism. Longman, 1952.
- Huizinga, J.: The Wanning of the Middle Ages. London, 1976.
- Habib, Irfan: Agrarian System of Mughal India. Bombay, 1963.
- Essays on Indian History, Delhi 1995.
- Kosambi, D.D.: An Introduction to the Study of Indian History, Bombay, 1994.
- Lapidus, Ira, M.: A History of Islamic Societies. Cambridge 1991.
- McLane, J.R.: Land and Local Kingship in Eighteenth Century Bengal. Cambridge 1993.
- Muzaffar Alam: The Crisis of Empire in Mughal North India. Oxford Delhi 1986.
- Mukhia, H.: Perspectives on Medieval History. Delhi 1994.
- Metcalf, T.R.: Land, Landlord and the British Raj. Vni of California 1979.
- Marshall, P.J.: Bengal: The British Bridgehead (New Cambridge History of India) Cambridge 1987.
- Napier, W.: Sir Charles Napiers Administration in Scinde and Campaign in Cutchee Hill. Karachi 1995.
- Pemble, J.: The Raj, The Indian Mutiny and the Kingdom of Oudh. The Harvest Press, 1977.
- Richard, B.: North India Between Empires. Uni-of California 1980.

- Richards, J.F.: The Mughal Empire, (The New Cambridge History of India) Cambridge 1993.
- Saradikari, R.K.: The Taluqdari Settlement in Oudh. Delhi 1985.
- Sheehan, J.J.: *Grennan History*, Oxford Clarendenpress 1770-1866, 1989.
- Spear, P.: A History of Delhi Under the Later Mughals. Delhi 1988.
- Talbot, I.: Punjab and the Raj. Delhi 1988.
- Thapar, R. Ancient Indian Social History. Delhi 1990.
- Trevelyn, G.M.: English Social History London 1962.

Mashal is a small organisation dedicated to the publishing of books on social, cultural and developmental themes of contemporary relevance. Trends in modern thought, human rights, the role of women in development, issues of governance, environmental problems, education and health, popular science, drugs and creative literature relating to these and other themes are the focus of Mashal's programme.

While Mashal works for the widest dissemination of its publications, this is a non-commercial, non-profit enterprise. Mashal therefore seeks the support of individuals and aid-giving agencies world-wide which consider the foregoing objectives worthy of promotion.

مشعل ایک غیر سرکاری اور غیر تجارتی اشاعتی ادارہ ہے جو 1988ء میں لاہور میں بحثیت فاؤنڈیشن رجسٹر ہوا۔ اس کا مقصد جدید سائنس، معاشی، معاشرتی اور ادبی رہنمائی کی ترویج و اشاعت کے لئے کم قیمت کتابیں شائع کرنا ہے۔ انسانی حقوق، ترقی میں خواتین کے کردار، منشیات، تعلیم، صحت عامہ، بہتر نظم و ننق، ماحولیاتی سائل، اور ان سے متعلق دوسرے موضوعات مشعل کے پروگرام میں شامل ہیں۔

مشعل اپنے طور پر کتابوں کی اشاعت اور تقسیم کے لئے ہر ممکن وسائل استعمال کرتا ہے، تاہم اس مقصد کے لئے افراد اور قومی و بین الاقوامی امدادی اداروں کی مالی معاونت کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

Feudalism and Feudal Culture

by Dr. Mubarak Ali

Copyright © Urdu 1996 Mashal Pakistan

Publisher: **Mashal**

RB-5, 2nd Floor,
Awami Complex, Usman Block,
New Garden Town,
Lahore-54600, Pakistan.

Telephone & Fax: 042-5866859
E-mail: mashal@infolink.net.pk

Title design: Ahmar Rehman

Printers: Maktaba Jadeed Press, Lahore

120/-

Price: Rs 

کتاب میں جاگیرداری نظام کو مغرب
 اور مشرق کے تناظر میں دیکھا گیا ہے اور
 اس تاریخی حقیقت کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ
 یہ نظام کن حالات میں پیدا ہوا اور اس
 نے سیاسی اور معاشی زندگی پر کیا اثرات
 مرتب کئے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں
 جاگیردارانہ کلچر نے جو خرابیاں پیدا کی
 ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

